ماہنامہ

حیات نو

اہل ایمان اور ان کے حریفوں کے درمیان جو جنگ برپا ہے یہ درحقیقت عقیدہ و فکر کی جنگ ہے اس کے سوا اس جنگ کی کوئی اور حیثیت قطعاً نہیں ہے۔ ان مخالفین کو مومنین کے صرف ایمان سے عداوت ہے۔ یہ کوئی سیاسی اقتصادی یا نسلی معرکہ آرائی ہرگز نہیں ہے یہاں امر متنازع فیہ صرف یہ ہے کہ کفر رہیگا یا ایمان، جاہلیت کا چلن ہوگا یا اسلام کی حکومت!

— (سید قطب شہید)

ANJUMAN TALBA-E-QADEEM

انجمن طلبۂ قدیم

جامعۃ الفلاح بلریا گنج۔ اعظم گڑھ یوپی (انڈیا)

BILARIAGANJ - AZAMGARH (U.P.) INDIA

نشاط پریس ٹانڈہ

انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح کے ذمہ داران اور ان کے پتے

صدر : ابوالمکارم فلاحی مدنی
مدرسہ اسلامیہ سلفیہ ہریاسرائے دربھنگہ (بہار)

سکریٹری : [illegible] محمد فلاحی
جامعۃ الفلاح بلریاگنج اعظم گڈھ (یوپی)

معاون سکریٹری : طارق سلیم فلاحی (جامعۃ الفلاح)

خازن : اظہار احمد فلاحی (جامعۃ الفلاح)

مجلس شوریٰ

۱۔ ڈاکٹر [illegible] احمد فلاحی
فلاحی دواخانہ چاندپٹی اعظم گڈھ

۲۔ شفیق عالم فلاحی
موضع و ڈاکخانہ سیٹھیو رانچی (بہار)

۳۔ محمد عمران فلاحی
بلریاگنج اعظم گڈھ

۴۔ اطہر ریحان فلاحی
۳۲۵ سلے بٹلا ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دلی ۱۱۵۵۲۵

۵۔ مشرف حسین فلاحی
صدیقی منزل زینہ عنایت خاں رام پور (یوپی)

۶۔ عبدالسلام فلاحی
اسلامک پبلشرز دو محلہ روڈ رام پور (یوپی)

۷۔ نسیم احمد غازی فلاحی
مرکز جماعت اسلامی بازار مفتی کفایت اللہ دہلی ۶

۸۔ شبیر احمد فلاحی
144/G/J.N.U. DELHI 110067

۹۔ اشتیاق دانش فلاحی
کمرہ ۱۴۷ حبیب ہال علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱

۱۰۔ عبیداللہ محمد فلاحی
اسلامک لائبریری شمشاد مارکیٹ علی گڑھ۔

ماہنامہ حیاتِ نو

مجلس ادارت

نور محمد فلاحی (مدیر منتظم)
منظر سید عالم فلاحی (معاون مدیر)
شفیق عالم فلاحی (")
طارق احسن فلاحی (")
اشتیاق دانش فلاحی (")
عبیداللہ فہد فلاحی (مدیر مسئول)

اس شمارے کی قیمت -/۲
سالانہ زرِ تعاون -/۱۵
طلبہ اور لائبریریوں کے لئے -/۱۰
خصوصی زرِ تعاون -/۱۰۰ تا -/۲۰۰

اس دائرہ میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا سالانہ زرِ تعاون ختم ہوگیا ہے۔ براہِ کرم سالانہ زرِ تعاون مبلغ -/۱۵ جلد از جلد ارسال فرمائیں۔

اس رسالہ کے ہر مضمون کو حوالہ کے ساتھ نقل کرنے کی اجازت ہے۔

جلد نمبر ۳ شمارہ نمبر ۹، ۱۰
شوال، ذیقعدہ [illegible] مطابق ستمبر اکتوبر [illegible]

نقوشِ حیاتِ نو

دھڑکنیں

اداریہ ۳

انٹرویو

بہت صدمہ ہوا — ایڈیٹر آتش فشاں ۵

مقالات

کیا اب اسلام کی ضرورت نہیں رہی؟ — احسان الحق فلاحی ۸
اسلامی ادب — دانش فلاحی ۱۵
نظریۂ فرائڈ پر ماہرین نفسیات کی تنقید — عبیداللہ فہد فلاحی ۲۲
تہذیب جدید — انسانیت کا جائزہ — طارق سلیم فلاحی ۲۴
اسلام ایک معتدل نظام — ابن عبارت فلاحی ۲۷

خصوصی فیچر

سیکوروف — جس نے روسی حکومت کو ہلا کر رکھ دیا — ستیہ پال ۲۶
اشتراکیت ایک پھندا ہے — سید اسعد گیلانی ۲۹
سرخ فریب — ثاقب انور ۱۲
وہ ایک دن میرے دروازے پر آن پہونچا — پروفیسر اکرم جلیلی ۳۱

رپورتاژ

میں بھی حاضر تھا وہاں — محمد حسین سعید ۴۰
ایک ایسی شمع جلاؤ جو سب کے کام آئے — ادارہ ۴۵
جامعہ کے لیل و نہار — نعیم الدین اصلاحی ۴۸

بوئے گل، نالۂ دل

غزل — ساغر اعظمی ۴۲
نوائے جبرئیل — ماہر القادری ۴۳
غزل — صابر قمرالدین ۴۴

حلقۂ یاراں

کامران غنی علیگڑھ، استیہ لکھنؤ ۵۰

تعارف و تبصرہ

مولانا نعمانی کی تصویر، فیض کعبہ ۴۹

مطبوعہ نشاط پریس ٹانڈہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الوداع الوداع !!

ندائے ملت

اے چودھویں صدی ھجری الوداع !!

اے امت مسلمہ کو خاک و خون میں تڑپتا دیکھنے والی صدی ! الوداع —! ہم تجھے الوداع کہتے ہیں۔ تو نے خلافت عثمانیہ کا سہاگ لٹتے دیکھا، بیت المقدس پر اسرائیل کا غاصبانہ قبضہ بھی دیکھا، تو نے مسجد اقصیٰ کی حرمتوں کو آگ اور بارود میں بھسم ہوتے دیکھا، تو نے حرم پاک کو بھی سیاست کا آلۂ کار بنانے سے دریغ نہ کیا، الوداع — ہماری بربادیوں کا تماشہ دیکھنے والی صدی — الوداع ! تو نے ہم سے ہماری مایۂ ناز ہستیاں چھین لیں، تو نے الطاف حسین حالیؒ[۱] جیسا مصلح، اکبر الہ آبادیؒ[۲] جیسا مغربی تہذیب پر تیشہ کاری لگانے والا، علامہ اقبالؒ[۳] جیسا اسلامی مفکر، مولانا محمد علی جوہرؒ[۴] جیسا بے باک قائد، مولانا ابوالکلام آزادؒ[۵] جیسا شعلہ بیان خطیب، مولانا شبلی نعمانیؒ[۶] جیسا محقق، مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ[۷]، سید قطب شہیدؒ، حسن البنا شہیدؒ جیسے مجاہد ہم سے چھین لئے آج جن کی کسک سارا عالم محسوس کرتا ہے۔ آج جن کے نام پر سینکڑوں نہیں، ہزاروں نہیں، لاکھوں اور کروڑوں افراد آنسو کے دریا بہاتے ہیں لیکن تو نے عالم اسلام کے ان مایہ ناز سپوتوں کو ان سے محروم کر دیا جیسے کوئی دوشیزہ عین عالم شباب میں بیوہ ہو گئی ہو —!

اے چودھویں صدی ہجری ! تو نے جاتے جاتے افغانستان کے حریت پسند مجاہدین کو روسی درندوں کے حوالہ کر دیا، تو نے ایران عراق کے درمیان جنگ کے شعلے بھڑکائے اور سرخ و سفید سامراج کو ایک بار پھر اپنے مفادات پورے ہوتے دکھائی دینے لگے۔ تیرا اجل جلاوا تھا لیکن پھر بھی مراد آباد میں عصمتوں کو لٹتے حرمتوں کا مزار، اذسیلام بجتے، بچوں، بوڑھوں اور نوجوانوں کی کھوپڑیوں کو سڑکوں پر اچھلتے دیکھا اور پھر بھی تجھے جوش نہ آیا، تو نے خدا کے جذبۂ انتقام کو آواز نہ دی —!

لیکن اے چودھویں صدی ہجری ! ہم پھر بھی تجھے الوداع کہتے ہیں کیونکہ تو نے آج ہماری آنکھیں کھول دی ہیں، تو نے ہمیں عزت و خودداری کا درس دیا ہے، تو نے ہمیں سرخ و سفید سے آزاد ہو کر خود کفیل ہونا سکھایا ہے، تو نے ہم کو جہاد، قربانی اور ہجرت کا پیغام عمل دیا ہے، تو نے سرخ و سفید جیالیوں سے ہمارا اعتماد ختم کر کے محض خدا کی ذات پر بھروسہ کرنا سکھایا ہے، تو نے ہمیں اسلامی انقلاب کا تحفہ دیا ہے، ہمیں اسلام کے لئے مرمٹنے کی تڑپ اور ملت اسلامیہ کے لئے ہر طرح کی قربانی دینے کا حوصلہ عطا کیا ہے۔ ہم تیرے مشکور ہیں، حد درجہ مشکور —!!

الوداع الوداع —!! اے چودھویں صدی ھجری الوداع —!!

۱؎ (۱۲۵۳—۱۳۳۳ھ) ۲؎ (۱۲۶۳—۱۳۴۰ھ) ۳؎ (۱۲۹۳—۱۳۵۷ھ) ۴؎ (۱۲۹۵—۱۳۵۰ھ)
۵؎ (۱۳۰۵—۱۳۷۷ھ) ۶؎ (۱۲۷۴—۱۳۳۲ھ) ۷؎ (۱۳۲۱—۱۳۹۹ھ)۔

ترقی پسند شاعر جوش ملیح آبادی سے انٹرویو........

بہت صدمہ ہوا

بہت صدمہ ہوا

حافظ ہدایت اللہ صاحب مدینہ منورہ نے پندرہ روزہ آتش فشاں سے نقل کرکے ارسال کیا۔ انٹرویو کے ہر حصے سے مطابقت ضروری نہیں ہے۔

س: جوش صاحب آپ نے یادوں کی بارات میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب سے اپنے تعلقات کا ذکر کیا ہے۔ بس ہم بھی آپ سے دوستی کے اس دور کی کچھ باتیں سننے آئے ہیں۔

ج: ابوالخیر مودودی سے میری دوستی تھی۔ ابوالخیر کے توسط سے ابوالاعلیٰ سے ملاقات ہوئی جو بعد میں دوستی میں بدل گئی۔ ایک زمانے میں ہم کئی برس تک ایک ہی گھر میں رہتے تھے۔ اس زمانے میں ابوالاعلیٰ [illegible] شیعہ رہتے تھے۔ ہم چھ سات برس تک اکٹھا رہے۔

س: اس زمانے میں آپ لوگوں کے کیا معمولات ہوتے تھے؟

ج: ابوالخیر اور میں عثمانیہ یونیورسٹی کے سررشتہ تالیف و ترجمہ میں ملازم تھے۔ ابوالاعلیٰ وہاں ملازم نہیں تھے۔ تلاش معاش میں بیچارے پریشان تھے۔ بھائی کے گھر پڑے ہوئے تھے۔ چاہتے تھے کہ کوئی روزگار ہو جائے۔ ابھی ان پر اسلام کا دورہ نہیں پڑا تھا۔ صبح ہم لوگ دفتر جاتے تھے شام کو اکٹھا ہو جاتے تھے۔ کبھی شاعری ہوتی تھی کبھی لطیفے ہوتے تھے کبھی میر پیالے بھر کر پلاتے تھے کہ ابوالاعلیٰ صاحب کا رنگ الگ۔ کہتا تھا کوئی خاص شغف کی نہیں کی تھی تو ہم طعام ہو جاتے تھے

س: مولانا کے والد کو بھی آپ نے دیکھا؟

ج: نہیں دیکھا صاحب، نہیں دیکھا۔

س: دونوں بھائیوں کی طبیعتوں میں کیا فرق تھا؟

ج: ابوالخیر زود رنج اور زود غضب تھے۔ ابوالاعلیٰ میں تحمل اور بردباری تھی۔

س: ہم نے مولانا مودودی صاحب کو سنجیدہ، متین اور کم آمیز ہی دیکھا۔ شروع سے ہی وہ اس مزاج کے تھے؟

ج: نہیں صاحب اس زمانے میں تو بہت لطیفہ گو تھے ہنسوڑ تھے ظریف الطبع تھے، کم آمیز بھی نہیں تھے؟

س: علمی اعتبار سے دونوں بھائیوں میں آپ کیا فرق محسوس کرتے ہیں؟

ج: ابوالخیر ابوالاعلیٰ سے زیادہ عالم تھے اور ان کا مطالعہ بھی زیادہ تھا۔ ابوالخیر خاموش اور گوشہ نشین آدمی تھے۔ تعلقات [illegible] تھے۔ دن کو چھ سات بجے سوتے تھے۔

س: اس زمانے کی چھ سات سالہ رفاقت میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب شعر و ادب کی طرف بھی رجحان رکھتے تھے؟

ج: ابوالاعلیٰ ادب دوست اور ظریف الطبع آدمی

تھے۔ بہت اچھے سخن فہم تھے۔ ذی علم آدمی تھے۔ شعر میں دلچسپی لیتے تھے، محظوظ ہوتے تھے۔ محفلوں میں شریک ہوتے تھے۔

س:۔ آپ کے ہاں تو اُس زمانے میں بھی نأو و نوش کی محفلوں کا تذکرہ ملتا ہے

ج:۔ نأو و نوش کی کسی محفل میں ابوالاعلیٰ کو شرکت کی ہمت نہیں ہو سکی۔ کبھی شریک نہیں ہو سکے۔

س:۔ تو گویا شروع سے ہی ان کا کیریکٹر ساؤنڈ تھا؟

ج:۔ ہاں اچھے تھے۔

س:۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے متعلق بعض لوگوں کی رائے ہے کہ اگر سیاست میں نہ پڑتے اور خالصتہً علمی کاموں میں رہتے تو بہت ہی آگے نکل جاتے۔

ج:۔ سیاست پیغمبروں کا میدان تھا جس پر شیاطین نے قبضہ کر لیا۔ جو اس میں آیا بگڑ گیا۔ مولانا بھی سیاست میں آ گئے، اپنی اوقات خراب کی۔ اگر صرف عالم رہتے تو اچھا تھا۔

س:۔ اور کوئی واقعہ حیدرآباد کا؟

ج:۔ یاد نہیں آ رہا۔

س:۔ یادداشت پر زور دیں۔

ج:۔ جب نظام کا مجھ پر عتاب ہوا تھا اور میں وہاں سے خارج البلد کیا گیا تھا اُس وقت ابوالخیر صاحب اور مولانا ابوالخیر مودودی، دونوں مجھے پہنچانے آئے تھے۔ اسٹیشن پر سیکڑوں دوستوں میں سے کوئی بھی نہیں تھا۔ کسی کو جرأت نہ ہوئی۔

س:۔ اس کا مطلب ہوا کہ مولانا میں شروع سے جرأت تھی

ج:۔ بالکل جرأت تھی۔ ان کا اسٹیشن پر آنا بڑا خلوص اور جرأت کا کام تھا۔

س:۔ کبھی علمی مباحث بھی ہوئے؟

ج:۔ اُن پر اسلام کا دورہ نہیں پڑا۔ البتہ جبر و اختیار کے مسئلے پر مقابلہ ہوتا رہتا تھا۔ حیدرآباد میں بھی وہ قدریت کے قائل تھے میں جبریت کا۔ اُن کی معقولیت دلائل کو تسلیم کرتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ لیکن مذہبیت مانع ہوتی تھی۔ اس کے بعد جب وہ لاہور آئے۔ تو انھوں نے کتاب چھاپی مسئلہ جبر و قدر۔ مجھے کتاب دی کہ اس کو پڑھئے اور بتائیے کیا رائے ہے آپ کی۔ میں نے اس کتاب پر اس کے خلاف حواشی لکھ دیئے۔ لے گیا مودودی کے پاس۔ انھوں نے پڑھا اُسے، کہا کہ آپ کے دلائل بہت قوی ہیں، تو میں نے کہا کہ پھر تسلیم کیوں نہیں کر لیتے۔ تو کہنے لگے کہ اس عقیدے سے ایمان میں خلل آ جائے گا اور خدا کا عدل مجروح ہو گا۔ میں نے کہا دیکھو مودودی! ایمان کی خاطر بے ایمانی نہ کرو۔

پھر وہ مجھ سے کہتے تھے کہ اگر ہم برسر اقتدار آئے تو آپ کو پاسپورٹ دے دیں گے۔ یہاں سے چلے جانے کا۔

س:۔ مذاق میں کہتے ہوں گے۔

ج:۔ ہاں۔ میں نے کہا، خدا گنجے کو ناخن نہیں دے گا۔

س:۔ وہ اندر سے سنگساری والا کیا قصہ ہے؟

ج:۔ دس بارہ برس ہو گئے ہوں گے۔ لاہور میں میں ان سے ملنے گیا۔ اچھرہ میں گیا۔ انھوں نے کہا کہ میرے گردے میں پتھری پڑ جاتی ہے۔ نکلواتا ہوں پھر پتھری پڑ جاتی ہے۔ میں نے کہا مولانا عبرت حاصل کرو۔ اسلئے کہ تمھیں اندر سے سنگسار کیا جا رہا ہے۔

س:۔ جوشؔ صاحب! آپ کی اور مولانا کی زندگی میں ہم نے تو بعد المشرقین ہی محسوس کیا، پھر بھی دوستی برقرار رہی؟

ج:۔ پرانی دوستی میں دوستوں کے کردار یا عقائد سے کوئی غرض نہیں رہتی تھی۔ لیکن ان کی ذات سے تعلق رہتا تھا۔ یہ بات مولانا میں تھی کہ انھوں نے دوستی رکھی۔ معقول لوگوں میں ویسے بھی نظریے کے اختلاف پر دشمنی نہیں ہو سکتی۔ مولانا تو بہت معقول تھے۔

کسی نے ان سے میرے متعلق پوچھا کیسے آدمی ہیں تو مولانا مودودی نے جواب دیا کہ میں ان کو اچھا اسلئے نہیں کہوں گا کہ وہ میرے پرانے دوست ہیں۔

س:۔ لاہور میں ملاقات اکثر ہوتی رہی یا شاذ و نادر؟

ج:۔ بہت کم ملاقات رہی۔

س:۔ آخری ملاقات کب ہوئی؟

ج:۔ کئی برس سے نہیں گیا تھا میں۔ کئی برس سے ملاقات نہیں ہوئی تھی مجھے بڑا افسوس ہے۔ بے چارے معذور ہو گئے تھے پاؤں سے اور میں بھی گھٹنوں سے معذور تھا۔ اس لئے میں مدت سے نہیں مل سکا۔

میرے دوستوں کا جو کارواں چلا گیا ہے اُن کیلئے میں نے کہا ہے ؎

یاں چھپتی دھوپ ہے گلابی سایہ
رہتا ہے سحاب ابدیت چھایا
جوشؔ آؤ کہ منتظر ہے بزم ارواح
آیا، یاران رفتہ آیا، آیا!

طوالت عمر بڑی بُری چیز ہے اس میں سیکڑوں داغ دیکھنا پڑتے ہیں، دوستوں کے۔ حضرت عیسیٰؑ کا قول ہے خدا اپنے محبوب بندے کو جلدی اٹھا لیتا ہے۔

ہم محبوب نہیں، "مغضوب" بندے ہیں جو لٹکائے جا رہے ہیں۔

آہ! سب لوگ اُٹھ گئے، اٹھ گئے، چلے گئے۔

س:۔ مولانا کی وفات کی خبر کو آپ نے کیسے محسوس کیا؟

ج:۔ بہت صدمہ ہوا، بہت صدمہ ہوا ؎

سب باغ میں ہنس بول رہے ہیں اے جوشؔ
چپ ہونے کو لب کھول رہے ہیں اے جوشؔ
کہتے ہیں کہ اڑ چکے ہیں شاخ گل سے
کہتے ہیں کہ پر تول رہے ہیں اے جوشؔ

٭٭٭

رُوس میں قرآنِ مجید کی طلب

روس کی "بلیک مارکیٹ" میں جن اشیاء کی سب سے زیادہ مانگ ہے۔ ان میں سے ایک "قرآن مجید" ہے طلائی جلد والا قرآن پاک جس کا ہدیہ قاصرہ یا بیروت میں "میں ڈالر" تک ہوتا ہے روس میں اس کا ہدیہ ۱۵۰ سو روبل تک ہے یعنی ۲۲ سو ڈالر۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ روس کی مذہب مخالف حکومت نے قرآن مجید کی طباعت پر سخت پابندیاں عائد کر رکھی ہیں۔ بنا بریں روس میں جہاں ۴۳ ملین (۴ کروڑ) مسلمان آباد ہیں قرآن مجید بہت کم دستیاب ہیں۔

زیادہ تر روسی مسلمان خوشحال زرعی علاقوں میں رہتے ہیں۔ جب وہ خرید و فروخت کیلئے ماسکو کی مارکیٹ میں آتے ہیں تو مشرق وسطی سے آئے ہوئے سفارتی سرکاری نمائندوں یا طلبہ کی تلاش کرتے ہیں اور ان سے رقم یا ایک مہینے کی زرعی پیداوار کی فراہمی کے عوض "قرآن پاک" طلب کرتے ہیں۔

٭٭٭٭

براہ کرم زرِ رقم ارسال کرتے وقت منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ صاف صاف تحریر فرمائیں (علیہ السلام) خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضروری ہے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

(احسان الحق فلاحی)

کیا اب اسلام کی ضرورت نہیں رہی؟

سائنس و ٹکنالوجی کی حیرت انگیز ترقیوں اور کارناموں نے اہلِ مغرب کو اس طرح مسحور کر دیا ہے کہ وہ اب عام طور سے یہ سمجھنے لگے ہیں کہ سائنس نے مذہب کو ہمیشہ کیلئے شکست دے دی ہے کیونکہ اب اسکی افادیت بالکل ختم ہو چکی ہے جولین ہکسلے نے ایک جگہ لکھا ہے۔

"جس طرح ایٹم کے ٹوٹنے سے مادہ کے بارے میں انسان کے پچھلے تمام تصورات ختم ہو گئے اسی طرح پچھلی صدی میں علم کی جو ترقی ہوئی وہ بھی ایک قسم کا علمی دھماکہ ہے جس کے بعد خدا اور مذہب کے متعلق تمام پرانے خیالات بھک سے اڑ گئے ہیں۔"

ایک دوسری جگہ وہ رقمطراز ہے۔

"خدا کا تصور اپنی افادیت کے آخری مقام پر پہنچ چکا ہے اب وہ مزید ترقی نہیں کر سکتا۔ مافوق الفطری طاقتیں دراصل مذہب کا بوجھ اٹھانے کیلئے انسانی ذہن نے اختراع کی تھیں پہلے جادو پیدا ہوا پھر مخلوقات نے اسکی جگہ لی پھر دیوتاؤں کا عقیدہ پیدا ہوا اور اس کے بعد ایک خدا کا تصور آیا۔ اس طرح ارتقائی مراحل سے گزر کر مذہب اپنی آخری حد کو پہنچ کر ختم ہو چکا ہے۔ کسی وقت یہ خدا ہماری تہذیب کے ضروری سہارے تھے اور مفید تخیلات تھے مگر اب جدید ترقی یافتہ سماج میں وہ اپنی ضرورت اور افادیت کھو چکے ہیں۔"

مشہور ماہرِ نفسیات ڈاکٹر فرائڈ نے احیاءِ دین کی کوششوں کا مذاق اڑاتے ہوئے لکھا ہے کہ "انسانی زندگی تین واضح نفسیاتی ادوار سے ہو کر گزرتی ہے۔ دورِ وحشت، دورِ مذہب، دورِ سائنس۔ یہ دورِ سائنس کا ہے اہلِ مذہب کی باتوں میں کوئی معقولیت نہیں۔ وہ فرسودہ ہو چکا ہے اور اپنی تمام قدر و قیمت کھو چکا ہے۔"

اشتراکیت کے نزدیک بھی مذہب "ایک تاریخی فریب ہے لیکن چونکہ وہ تاریخ کا مطالعہ تمام تر معاشیات ہی کی روشنی میں کرتی ہے اسلئے اس نے تمام تاریخی اسباب کو سمیٹ کر صرف معاشی عمل میں مرکوز کر دیا۔ ۱۹۲۲ء میں لینن نے اعلان کیا تھا۔

"یقیناً ہم خدا کو نہیں مانتے۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ پادری، کلیسا، زمیندار اور بورژوا طبقہ جو خدا کے حوالے سے کلام کرتے ہیں وہ محض استحصال کرنے والے کی حیثیت سے اپنے مفادات کا تحفظ کرنا چاہتے ہیں .... ہم ایسے تمام اخلاقی ضابطوں کا انکار کرتے ہیں جو انسانوں سے ماوراء کسی مافوق طاقت سے اخذ کئے گئے ہوں یا طبقاتی تصور پر مبنی نہ ہوں۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ ایک دھوکہ ہے، ایک فریب ہے، زمینداروں اور سرمایہ داروں کے مفاد کیلئے مزدوروں اور کسانوں کی فکر پر پردہ ڈالنا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہمارا نظامِ اخلاق تمام تر صرف پرولتاریہ کی طبقاتی جدوجہد کے تابع ہے ہمارے اخلاقی اصولوں کا ماخذ پرولتاریہ کی طبقاتی جدوجہد کا مفاد ہے۔"

مغربی مفکرین کی مذہب سے دشمنی کی اصل وجہ یہ ہے کہ

سترہویں صدی عیسوی میں جب یورپ میں عقلیت کا آغاز ہوا اور نئے نئے نظریات و خیالات کی وجہ سے تقلید کے بندھن ٹوٹنے لگے اور "مذہبی اماموں" پر بے سمجھے بوجھے ایمان لانے سے روکا جانے لگا تو مذہبی حلقوں میں قیامت برپا ہو گئی کیونکہ اس طرح کی آزادی کے معنی یہ تھے کہ ان کا مذہبی و سیاسی اقتدار ختم ہو جائے چنانچہ پادریوں نے ان کے خلاف زبردست مہم چلائی لاکھوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہزاروں کو زندہ آگ میں جلا دیا۔

لیکن پادریوں کی اس مذہب دشمنی کی وجہ سے مفکرین کے دل میں مذہب کے خلاف ایک ضد سی پیدا ہو گئی انہوں نے مذہب کے مکمل استیصال کیلئے خدا کے وجود ہی سے انکار کر دیا اس طرح وہ بغاوت جو ایک مذہبی طبقے کے غلط اقتدار سے رہائی پانے کیلئے شروع کی گئی تھی خود رب الارباب کے اقتدار سے بغاوت بلکہ اس کی ہستی کے انکار تک جا پہنچی۔ پادریوں کے ناروا ظلم و ستم کی وجہ سے مفکرین بجا طور پر عقلیت پسند یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ مذہب وحشت و بربریت قدامت پرستی و تاریک خیالی اور بے معنی افکار و خیالات کا دوسرا نام ہے لیکن اسلام کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہے۔ جو لوگ اسلام کو آؤٹ آف ڈیٹ کہہ کر اس سے اپنا پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں وہ مغربی تہذیب کی اندھی تقلید میں مست ہیں۔ مغربی مفکرین کی مذہب دشمنی کی وجہ سے لوگ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ ترقی و معراج کی واحد راہ یہ ہے کہ مذہب کو زندگی کے معاملات سے بے دخل کر دیا جائے حالانکہ یورپ کے بہت سے نامور سائنس دانوں نے مذہب کو زندگی کی ایک ناگزیر ضرورت قرار دیا ہے۔

آج سائنس کی روز افزوں ترقی سے فطرت کے بہت سے رازہائے سربستہ کا انکشاف ہو چکا ہے اس حالت میں چاہئے تو یہ تھا کہ سائنس کی ربوبیت پر یقین بڑھتا چلا جاتا اور الٰہی تخلیق پر ایمان متزلزل ہو جاتا لیکن معاملہ اس کے برعکس ہے۔ مشہور ماہر فلکیات سر جینز کا کہنا ہے کہ "خدا پر ایمان لائے بغیر سائنس کے بنیادی مسائل حل ہی نہیں ہو سکتے۔" آکسفورڈ یونیورسٹی سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس میں لکھا ہوا ہے کہ ہم میں سے بہتوں پر چاہے سائنس داں ہو یا غیر سائنس داں یہ بات واضح ہو گئی کہ تخلیق الٰہیہ پر ایمان لانا اب بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا ضروری یہ ہمیشہ سے ہے۔

لیکن پھر بھی آج یورپ میں جو رجحان غالب ہے وہ یہی ہے کہ "اس نے اپنے لئے ایک نیا خدا (سائنس) دریافت کر لیا ہے اور پرانے خدا سے منہ موڑ لیا ہے۔" (سمرسٹ)

سائنس کو منصب خدائی پر بٹھا دینے کی وجہ سے ایک اہم نتیجہ یہ رونما ہوا کہ یہ دنیا کسی واضح مقصدیت اور معنویت سے یکسر محروم ہو گئی ہے یہاں نہ کسی بالاتر ہستی کا تصور ہے نہ حیات بعد الممات کے تصور کا انسانی زندگی پر کوئی اثر ظاہر ہوتا ہے انسان کو اپنے پورے وجود میں صرف دو ہی چیزیں نظر آتی ہیں بطن اور فرج زیادہ سے زیادہ مادی فوائد کا حصول اور جنسی و شہوانی خواہشات کی تسکین ہی پوری زندگی کا ماحصل ہے۔ اس دنیا کا ہر انسان ایک باؤلے کتے کی طرح ہر موہوم کی طرف لپکتا اور ہر ہڈی کیلئے جنگ و قتال پر آمادہ نظر آتا ہے۔ اس کے برخلاف مذہب انسان کو اپنے بجائے دوسروں کیلئے جینا سکھاتا ہے۔ یہاں اپنا مفاد نہیں بلکہ دوسروں کا مفاد زیادہ عزیز ہوتا ہے یہاں دوسروں کی حفاظت کیلئے جان و مال کی قربانی قابل ستائش اور لائق تعریف سمجھی جاتی ہے۔ یہاں اسے ایک اعلیٰ اور پاکیزہ نصب العین ملتا ہے اور اس نصب العین کیلئے اسے مصائب و آلام کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرنا سکھایا جاتا ہے لیکن اگر انسان مذہب کو اپنی زندگی سے بے دخل کر دے تو ان تمام مذہب کی بخشی ہوئی نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔

ثاقب انور

سرخ فریب

مشہور انگریزی ادیب ایچ جی ویلز کی طرز میں لکھا ہوا اردو سائنٹفک 'نظریاتی' افسانہ جس میں مستقبل کے ہندوستانی فرضی اشتراکی معاشرے کو پیش کیا گیا ہے۔ اس کے کردار فوجی ہیں۔ افسانہ نگار نے چند ہی سائنٹفک ایجادوں کا تذکرہ کیا ہے جو شاید مستقبل قریب میں عالم وجود میں آجائیں۔ ڈکٹاویژن الیکٹرانی آلہ ہے جس پر خفیہ طور پر بات چیت سنی جا سکتی ہے اور متکلمین کو دیکھا بھی جا سکتا ہے۔ کانسٹریشن کیمپ CONSTRATION CAMP ایسی جگہ ہے جہاں مخالفین پر انسانیت سوز مظالم ڈھائے جاتے ہیں۔ اس کا ماحول بھی تخیلاتی ہوتا ہے

(۱)

"بھول رہے ہو کامریڈ — ! آج عوام کو اس بکواس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" کامریڈ نے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے کسی قدر تلخ لہجے میں کہا۔

"لیکن حقائق کو کبھی جھٹلایا تو نہیں جا سکتا۔ !" کامریڈ زیدی نے نرمی سے کہا۔

"سیاسی مصلحتوں کے تحت حقائق کی قدریں بھی بدل جایا کرتی ہیں۔ سمجھے — !" کامریڈ نصرت نے فیصلہ کن لہجہ میں کہا۔

"تم کمیونزم کی توہین کر رہے ہو نصرت ! میں ہرگز یہ برداشت نہیں کر سکتا۔" اب کی بار کامریڈ زیدی کے لہجہ میں بھی خفیف سی تلخی آگئی تھی۔

"توہین میں نہیں تم کر رہے ہو — ! آج ہماری بھلائی اسی میں ہے کہ پرسوں ہمارے بمبار جیٹ طیارے سی بی کوبالٹ بموں سے دشمن کے مشرقی مورچے کو نیست و نابود کر دیں اور ٹھیک اسی روز ہمارا اسٹوپر کانسٹلیشن طیارہ ان کے دارالحکومت پر ہائیڈروجن بم گرا دے — !" کامریڈ نصرت پھر گرجا۔

"اگر یتیموں اور بیواؤں کی سسکیوں اور آہوں کے درمیان خون کی ہولی کھیلنے ہی سے اسٹیٹ کا بھلا ہو سکتا ہے۔ تو مجھے قطعی یہ بھلائی منظور نہیں۔" کامریڈ زیدی نے فیصلہ کن لہجہ میں کہا۔

"لیکن تم یہ کیوں بھول رہے ہو کمیونزم تمہارا مذہب ہے اور اس کا استحکام تمہارا ایمان ہے اور تمہیں کمیونزم سے والہانہ عقیدت ہے۔" شاید کامریڈ زیدی کا فیصلہ سن لینے پر کامریڈ نصرت نے فیصلہ کن لہجہ میں کہا۔

"میں عقیدۃً کمیونسٹ نہیں بنا ہوں سمجھے — !! میں نے کمیونزم کی روح کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ کمیونزم ہی انسانیت کو قعر مذلت میں گرنے

سے بچا سکتا ہے۔ اسی لئے تو میں نے کمیونزم کو اپنا مذہب قرار دے لیا ہے اور اگر آج کمیونزم ہی انسانی قدروں کا مذاق اڑانا چاہتا ہے تو سلام ہے ایسے کمیونزم کو ــــ "

(۲)

ڈکٹیٹر کی آنکھیں غصے سے آگ برسانے لگیں۔ اس نے ڈکٹاویژن سے کامریڈ نصرت اور کامریڈ زیدی کی تمام باتیں سن لیں اور جب ڈکٹاویژن کے پردے سے زیدی غائب ہو گیا تو کچلے ہوئے ناگ کی طرح بل کھاتا ہوا اٹھا اور ریسیور اٹھا کر نمبر ملانے لگا۔

"ہلو ہلو کیپٹن نصرت۔ ہاں میں کامریڈ صوفی یوسف بول رہا ہوں۔" ڈکٹیٹر نے نصرت سے فون پر کہا۔

"کامریڈ زیدی غدار ہو گیا ہے۔ اُسے فوری گرفتار کر کے کانسنٹریشن کیمپ بھجوا دیا جائے یہ میرا حکم ہے سمجھے؟" ڈکٹیٹر نے حکم صادر کرتے ہوئے کہا۔

"مگر اس میں کافی خطرہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ زیدی کو ہمارے پوشیدہ ارادوں کا علم ہو گیا ہے اور مصیبت تو یہ ہے کہ ہندوستان کے بیوقوف مسلمان اسی کی وجہ سے کمیونزم کا احترام کرتے ہیں اور فوج کا بہت بڑا حصہ اسی کا ہم نوا ہے۔" کیپٹن نصرت نے رازدارانہ لہجہ میں کہا۔

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں مزا چکھا دونگا اس بدذات کے بچے کو ــــ! تم فوراً اپنے مخصوص ساتھیوں کو لے کر اس کی کوٹھی کا محاصرہ کر لو اور خبردار اس کی گرفتاری کی خبر کسی کو نہ ہونے پائے۔"

دوسرے روز سرکاری اعلانیہ میں بتلایا گیا کہ کامریڈ زیدی کی علالت کے باعث کامریڈ رضوی کو ان کی جگہ متعین کیا گیا ہے۔

(۳)

"سوئچ آن۔ اپ۔ اپ۔ اسٹاپ۔ اب کہئے کامریڈ زیدی صاحب ہوش و حواس درست ہوئے آپ کے؟"

ڈکٹیٹر نے سگار منہ سے نکالتے ہوئے کہا۔ کانسنٹریشن کیمپ (CONSTRATION CAMP) میں زیدی کے جسم میں بجلی کی رو گذاری جا رہی تھی

"تم برقی رو گذار کر مجھے مار سکتے ہو لیکن میرے ضمیر کو نہیں ــــ!" کامریڈ زیدی نے جو بالکل سرخ ہو گیا تھا، منفیلہ کن لہجہ میں کہا۔ اور پھر ایک زوردار قہقہہ گونجا۔ "بیوقوف کہیں کا ــــ! کمیونسٹ ہوتے ہوئے بھی شرافت، اخلاق اور ضمیر جیسی بے معنی چیزوں کو لئے بیٹھا ہے ــــ!......... اور اچانک ایک گولی ڈکٹیٹر کے پستول سے نکلی اور کمرے کے دوسرے کونے میں ایک سپاہی کی لاش تڑپنے لگی جو ڈکٹاویژن کی نشری مشین چالو کر کے ڈکٹیٹر کی تقریر اور اس کے افعال نشر کر دینا چاہتا تھا۔

"بے وقوفوں نے مجھے غافل سمجھ رکھا ہے ــــ" ڈکٹیٹر نے نفرت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور مڑتے ہوئے ڈاکٹر سے کہا جو وہیں کھڑا تھر تھر کانپ رہا تھا۔ "ڈاکٹر انجکشن" اور ڈاکٹر نے کامریڈ زیدی کو انجکشن دے دیا۔

"کم آن۔ اپ۔ اپ۔ اپ۔ اسٹاپ۔ اب کی دفعہ زیدی کے جسم میں نہ صرف برقی لہر دوڑائی جا رہی تھیں بلکہ اس کے جسم میں ہوا بھی بھری جا رہی تھی۔ اس کا دماغ ماؤف ہو چکا تھا۔ اُسے صرف اتنا ہی یاد رہ گیا تھا جو اسے تین دنوں سے کافی اونچا کر کے پڑھ کر سنایا جا رہا تھا۔

"زیدی!" ڈکٹیٹر صوفی یوسف نے ایک شخص کی طرف اشارہ کیا جو ریکارڈنگ مشین سنبھالے کھڑا تھا اور جونہی ڈاکٹر نے کامریڈ زیدی کو دوسرا انجکشن لگایا اور جیسے ہی ڈکٹیٹر نے لفظ ریپیٹ (REPEAT) کہا اس نے ریکارڈنگ مشین چالو کر دی اور کامریڈ زیدی نے سلسلہ وار وہ تمام چیزیں بیان کرنی شروع کر دیں جنھیں وہ نیند لئے بغیر اور صرف کافی پی پی کر مسلسل تین رات اور تین دن سنتا رہا۔

اور اس کے دوسرے ہی روز اخباروں نے کامریڈ ریڈی کی تصاویر شائع کیں اور لکھا! کامریڈ ریڈی کی کمان میں سرخ فوج کے بمبار طیاروں نے دشمنوں کے مورچے پر کوبالٹ بم اور سوپر کانسٹیلیشن نے دشمنوں کے دارالحکومت پر ہنڈریڈ ٹن بم گراتے اس طرح وہاں کے ۱۵ کروڑ آدمیوں کو ہلاک کر کے "لاکھوں" کمیونسٹوں کی جان بچالی ہے اور اس طرح موصوف نے انسانیت کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے۔

اور اس کے آٹھویں روز بعد حکومت کے وظیفہ خوار ملاجی نے اپنے ساتھی کو اخبار پڑھ کر سنایا "اگرچہ تمام عمر کامریڈ زیدی نے کمیونزم کے قیام وبقا کے لئے گزار دی لیکن کچھ ہی دنوں پہلے انہوں نے دیگر سامراجی سرمایہ دار قوتوں سے سازش کر لی اور حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کی اور محض حکومت کو بدنام کرنے کے لئے کئی مسجدوں اور مندروں کو ڈائنامیٹ سے اڑا دینے کی اسکیم بنائی تھی۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ چند خاص حالات کے علاوہ یہاں پر ہر ایک کو پوری مذہبی آزادی حاصل ہے۔ اس لئے حکومت نے ان پر بند عدالت میں مقدمہ چلایا۔ کامریڈ زیدی نے اپنی غداری اور جرم کا اقبال کر لیا اس لئے فوجی عدالت نے انہیں پھانسی دینے کا حکم صادر کیا ہے۔ کل شام انہیں پھانسی دیدی گئی ہے۔ ایسے انسانیت دشمن عناصر کا ختم کرنا ہی ہماری حکومت کا مقصد ہے۔"

"لاحول ولاقوۃ!" ملاجی نے کہا۔ "اچھا ہوا کمبخت واصل جہنم ہوا۔ یہ لوگ خواہ مخواہ حکومت کو مذہب کے بارے میں بدنام کرتے ہیں۔" ملاجی غیر ملکی مہمان سے کہہ رہے تھے۔

بقیہ سیکورف

سیکورف خود آزاد پسند ایسے بے مثال بہادر ہستی ہیں جنھوں نے روس میں رہ کر افغانستان پر روسی حملہ پر اپنی بلند آواز سے روسی حکومت کو خبردار کیا تھا کہ اب جلد سے جلد اپنی فوجیں ایک آزاد پسند ملک سے واپس بلائیں۔ یہ کمیونزم کے لئے ایک کالا داغ ہوگا اور ہر روسی کے لئے شرم کی بات ہوگی۔ سیکورف چیکو سلاویہ ہنگری، پولینڈ اور ایسٹ جرمنی جیسے ملکوں کو غلام بنانے کے خلاف تھے۔

اقوام متحدہ کے سب سے ذمہ دار ممبروں کے ذریعہ سیکورف کی حالت کا ہمیں پتہ چلا ہے کہ ان کی حالت بہت سنگین ہو چکی ہے۔ سیکورف کو شاید روسی پنجہ گورکی میں موت کے گھاٹ اتار دے۔ اگر ایسا ہوا تو آنے والی دنیا اور تاریخ نگار سنہرے حرفوں میں سیکورف کے نام کے ساتھ یہ ضرور لکھیں گے کہ روس میں ایک ایسا بھی روسی پیدا ہوا جس نے اپنے سارے عیش و عشرت کو لات مار کر دنیا کے انسانوں کو زہریلے بموں سے نجات دلانے کے لئے اور دوسرے ملکوں کو غلام بنانے والی پالیسی کے خلاف آواز اٹھا کر اپنی جان گنوا دی لیکن ظلم سے سمجھوتہ نہیں کیا۔ سیکورف اب بھی سوویت اکیڈمی آف سائنس کے ممبر ہیں اور اس اکیڈمی کے ۹۰ فیصد ممبران کے ہم خیال ہیں شاید اسی وجہ سے روسی حکومت اکیڈمی کے ممبر سے ان کو الگ نہیں کر سکی۔

دانش فلاحی (علیگڈھ)

اسلامی ادب

اردو نثر کی ابتدا ءشاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی تقویۃ الایمان اور اس نوعیت کی دوسری مذہبی کتابوں سے ہوئی جن میں قرآن کریم کے اردو ترجمے بھی شامل ہیں، لیکن آج سے چند سال قبل تو مکمل طور پر اور فی زمانہ زیادہ تر لوگ دانستہ یا نادانستہ طور پر اسلامی ادب کے نام سے بدکتے ہیں۔ اردو تنقید کے پورے سرمائے کا تجزیہ کر جائیے آپ محسوس کریں گے کہ مذہبی اور علمی نثر سے بالعموم بے توجہی برتی گئی ہے اگرچہ ایک حقیر استثناء کے وجود سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اس معاملے میں ہماری تنقید کا رویہ باعث حیرت اور ناقابل فہم ہے۔ مگر ذرا سی تحقیق اور چھان بین کے بعد پتہ چل جاتا ہے کہ یہ سب ماسکو کے سرمایے سے چلنے بڑھنے والی ترقی پسند تحریک کی کرشمہ سازی ہے۔ ترقی پسندوں اور تمام نہاد روشن خیالوں کی پوری کوشش رہی ہے کہ جہاں سے اور جس طرح بھی ممکن ہو مذہبی اور اخلاقی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا جائے اور انسانی ذہن و دماغ اور معاشرے سے ان کے اثرات کو ختم کردیں، لیکن حقیقت پھر حقیقت ہے، اسے زیادہ دیر نہ تو نظر انداز کیا جاسکتا ہے اور نہ دبایا جاسکتا ہے۔

قرآن مجید کی ادبی حیثیت مسلم ہے، اس سے قبل زمانے نے اتنا اعلیٰ اور نفیس ادب نہ دیکھا، نہ سنا اور اس کے بعد بھی آج تک کوئی ایسا ادب تخلیق پذیر نہیں ہوا، جسے قرآنی ادب سے آنکھ ملانے کی جرأت ہو، قرآن کے اعجاز ادب نے جاہلی شاعروں اور خطیبوں کو گونگا بنا دیا۔ حالانکہ انہیں اپنی زبان و ادب پر اتنا ناز تھا کہ غیر قوموں کو گونگا اور ان کے ادب و زبان کو بے مایہ قرار دیتے تھے۔

احادیث نبویؐ بھی اعلیٰ عربی ادب کا شاہکار ہیں اور اس کی سنہری کرنوں نے جاہلی ادب کی ضو پاشیوں کو پھیکا کر دیا۔ افق ادب پر چمکنے والے نہ جانے کتنے سورج چاند اور ستاروں کو تاریکیوں کے قبرستان میں ملا دیا۔ یہ محض اظہار عقیدت نہیں ہے، اسے عقیدت و محبت کی کرشمہ سازی بھی نہیں کہا جاسکتا۔ قرآن نے بھی دعویٰ کیا تھا اور ہم بھی کرتے ہیں۔ اور عقل کی میزان میں یہ بات کھری ثابت ہوگی کہ دنیاوی ادیب اس کی کسی ایک آیت کی نظیر بھی نہیں پیش کر سکتے۔ مجھے تو اس کا بھی پورا یقین ہے کہ زمانہ بدل رہا ہے، بین الاقوامی شعور بیدار ہو رہا ہے، تعصبات کے بادل چھٹ رہے اور

فکر و نظر کے زاویے بدل رہے ہیں ، اور اردو ادب میں ایک نئے انقلاب کی نغمہ سرائی دے رہی ہے اور وہ ادب ہے اسلامی انقلابی ادب ——

اشتراکی نظام جس کے پروردہ ادیبوں نے ترقی پسند تحریک کو جنم دیا ، اپنے کھوکھلے پن کے ساتھ سامراجیوں کی طرح بے نقاب ہو چکا ہے ۔ اور دنیا کو معلوم ہو گیا کہ مساوات اور انسانی ہمدردی کے یہ دعویدار ، پکے سامراجی اور بدترین قسم کے ڈکٹیٹر ہیں ، ان کے ادب اور شاندار انقلابی نعروں کی حقیقت بھی کھل رہی ہے ، چنانچہ غیر محسوس طور پر دنیا مارکسی ادب کے لئے ایک خوشنما قبر بھی تیار کر رہی ہے ۔

جس طرح سیاسی دنیا میں بڑی طاقتیں ، سامراجی اور اشتراکی حکومتیں اندھی اور بہری ہو گئی ہیں اور ان سے مقدس انسانیت کو شدید خطرہ لاحق ہے اسی طرح ادب کی دنیا میں بے لگام اشتراکی ادب ہے جیسا سامراجی ادب اور اخلاق سوز و انسانیت بیزار ادب بھی انسانی زندگی اور سکون و طمانیت گھن کی طرح کھائے جا رہا ہے ۔ اس نے انسانیت کے معیار پر چوٹ لگائی ، اور حیوانیت کو فروغ دیا ہے ۔ شرم و حیا کے جوہر کو زخم دیئے ، اخلاقی قدروں کو پامال کیا اور بے حیائی کو گلے لگایا ہے ۔ سینوں اور دلوں کے محل میں پلنے بسنے والی محبت سے پاکیزگی چھین لی اور اسے بازار میں لاکر ہوس پرستوں کے ہاتھوں بیچ دیا ، عشق و محبت کے اعلیٰ انسانی جذبات کو نظر انداز کیا ، حسن و جمال کی پوشیدہ تمازت کو گدلا کیا اور انسانیت کو رسوا کر دیا ، دلوں کو گندے خیالات و جذبات اور سینوں کو سفلی اور نفسانی خواہشات کا مرکز بنا کر تہذیبی روایات کو سر بازار رسوا کیا ہے ، عریاں جسموں کی نمائش اور ہیجان انگیز تصویروں سے اشتہاری اور بازاری ادب کو عروج دینے میں بھی انہی کا ہاتھ ہے ۔

فنکار اگر گمراہ اور بد خلق ہو گئے اور بد چلنی کی گندی روایات کو ادب میں فروغ دے رہے تھے تو نقاد سونے پر سہاگے کا فریضہ انجام دے رہے تھے ۔ بے حیا اشتہاری ادب کی ترقی میں انہوں نے بھی بھرپور حصہ لیا ہے ، عریانیت کے نوک و پلک کو سنوارنے اور تیکھا بنانے کے لئے اصول و ضوابط انہیں لوگوں نے وضع کئے ، سفلی جذبات کو بھڑکانے کے لئے آرٹ کو خوشنما اور دلچسپ بنا کر پیش کرنے کا راستہ بھی انہیں لوگوں نے دکھایا ۔

انسانیت کے عظیم معماروں ، ادب کی شاندار تحریروں ، انسانیت اور دنیا کے لئے مفید تصنیفوں سے بے توجہی برت کر اور ادب کو اپنی اور اپنے آقاؤں کی ہوس کا شکار اور غیر پابند خواہشات کا غلام بنا کر اک جرم عظیم کا ارتکاب کیا ہے ، حقائق کی تاریخ اور انسانیت کی عظیم عدالت ان شریف مجرموں کو کبھی معاف نہیں کرے گی ۔

بڑی طاقتوں کا بھرم ٹوٹ رہا ہے ، اسلامی انقلاب نے ان کی خطرناک سازشوں کے پردے چاک کر دیئے ہیں ، ایرانیوں نے سامراجیوں کے آقا —— امریکہ —— کو گہرے زخم دیئے ہیں اور اقوام عالم میں اس کی بڑی رسوائی ہوئی ہے ، ایران میں اس کے تابوت میں آخری کیل ٹھوکی جا چکی ہے ، ویتنام سے پہلے ہی وہ بے عزت ہو کر نکل جا چکا ہے ، اور اب یہ بھی یقینی ہے کہ ان کا ادب بھی پسپائی اختیار کرے گا کہ قومی تاریخ رجحانات اور مزاج ادب پر گہرا اثر ڈالتے ہیں ، ادب اسلامی کی تحریک بھی حرکت میں آ گئی ہے ، ایرانی انقلاب نے اسلامی تحریکوں کی طرح اسے بھی اک نئی زندگی و امنگ عطا کی ہے ، اس کا سرمایہ انتہائی عظیم اور بہت قدیم

ہے ۔

یہ جرأت و حوصلہ اور جذبوں سے معمور ہے ، فکر و نظر اور ذوقِ عمل سے سرشار ہے اس کے اندر بے پناہ قوت اور جاذبیت ہے ۔

یہ ایک بھڑکتی ہوئی آگ ہے ، جو سامراجی سرمایۂ ادب کو خاکستر بنا دے گی ، لیکن یہ آگ اندھی بہری نہیں ، گونگی اور بے لگام نہیں ، اگر اس سرمایہ میں کہیں سونا ہے تو یہ اسے کندن بناناجانتی ہے ۔

افغانی حریت پسندوں اور مجاہدوں نے روس کا ناطقہ بند کر رکھا ہے اور یہ خیال باطل ہوگیا ہے کہ بڑی طاقتوں سے کوئی آنکھ ملا کر بات نہیں کر سکتا اور چھوٹی طاقتیں ان کے رحم وکرم پر ہیں یا ان کی تیز آندھیوں کی راہ میں خس و خاشاک سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں ، غیور افغان ، پہاڑی میدانوں ٹھکانوں اور دروں میں سرخوں کی بھاری کھوپڑیوں کو فٹبال کی طرح ٹھوکریں مار رہے ہیں اور امید ہے ماسکو ان کی جرأت و ہمت کا مقابلہ نہیں کر سکے گا ، اور اس کے بعد مارکسی ادب بھی پسپائی اختیار کرے گا ، یوں بھی لوگ اب کمیونسٹوں کے خوشنما لفظوں سے کم ہی مسحور و متاثر ہوتے ہیں ، وقت کی آنکھیں ، جن میں صدیوں کے حادثات و واقعات بند ہیں ، تاریخ کے اسٹیج پر یہ ڈرامہ ایک دن ضرور دیکھیں گے کہ افغانیوں نے روسی ادب کا جنازہ نکال دیا ہے ۔

افغانیوں نے اپنی بے مثال بہادری سے صرف کمزور قوموں اور چھوٹی طاقتوں ہی کو فائدہ نہیں پہونچایا ، غیر شعوری طور پر ان کے ادب میں بھی جان ڈال دی ہے ۔

مارکسی اور سامراجی ادب چڑھے ہوئے سیلاب کا جھاگ تھے جو بہت جلد ختم ہو رہا ہے اور دریا کا اصل پانی

صدیوں سے اس کی تہوں میں رواں دواں ہے اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا ۔

اسلامی ادب ایک عالمگیر اور آفاقی ادب ہے زندگی اور مقصد زندگی سے اس کا گہرا تعلق ہے اور یہی دانائی کی بات بھی ہے ، ذرا سوچو کہ انسانیت کا قافلہ ایک ایسے آتش فشاں پہاڑ پر ڈیرا ڈالے ہوئے ہے جو بہت جلد پھٹنے والا ہے ، اگر اس عظیم تباہی کو ادیب کی چشم بینا نہ دیکھے ، بے زبان وادیوں اور سبزہ زاروں کے صور سے پھوٹنے والی آوازاسے سنائی نہ دے اور غافل انسانوں کو ہوشیار اور باخبر کرنے سے وہ عاجز رہ جائے انسانیت سی آئی اے اور کے جی بی اور دوسرے شرپسند غنڈوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ جائے ، امتوں اور قوموں کے نفاق زدہ اور بد باطن انسانوں کو تاج حکومت پہنا دیا جائے سائنس جسے انسانیت کی ترقی کا زینہ بننا تھا ، اس کی تباہی کا ذریعہ بن کر رہ جائے ، اور ادیب ان باتوں کو محسوس نہ کر سکے ، اس کی حساس طبیعت ان چیزوں کا ادراک نہ کر سکے اور آتش فشاں پہاڑ سے غافل انسانوں کو دور نہ لے جا سکے تو کیا اسے ادیب و فنکار کا اونچا مقام دیا جا سکتا ہے

—— زندگی بحران میں گھر جائے تمدن پر مشکل وقت آن پڑا ہو ، پوری انسانیت تباہی کے دہانے پر کھڑی ہو ، طمانیت قلب سے محروم انسان پاگل پن کا شکار ہو رہا ہو ، ظلم و فساد کا دور دورہ ہو ، ظالموں نے مظلوموں کی گردنیں دبوچ رکھی ہوں ، انصاف اور عدالت کی دھجیاں بکھر رہی ہوں ، سیاست و معیشت اور زندگی کے ہر میدان میں بگاڑ ہی بگاڑ ہو ، لیکن ہمارے ادیب کو ان جلتی ہوئی حقیقتوں کا شعور نہ ہو ، ان اہم ترین مسائل سے وہ کنارہ کش ہو اس کے افسانوں ، ڈراموں ، ناولوں اور خوشنما تحریروں میں انسانیت کے ان مسائل کا ذکر نہ ہو تو کیا وہ اس بات کا مستحق نہیں کہ اسے انسانیت کا دشمن قرار دیا جائے

یہ بات بہر حال یقینی ہے کہ اسلامی ادب زندگی سے لاتعلق نہیں رہ سکتا، وہ زندگی کے حقائق سے بحث کرے گا، زندگی کو سنوارنے کی جدوجہد کرے گا، انسانیت کی تعمیر کے لئے سرگرم عمل ہوگا اور قافلۂ انسانی کی ترقی کے زینوں کی طرف رہنمائی کرے گا، وہ یہ پسند نہیں کر سکتا کہ انسانوں کو اشتہاری ادب کی خواب آور گولیاں دے کر بربادیوں کے جہنم میں جھونک دے، وہ تو ایسے افسانے تخلیق کرے گا جو محض خوش جمال نہ ہوں، خوش خصال اور بے مثال بھی ہوں، وہ ایسے مضامین انشاء کرے گا جو انسانیت کو احترام آدمیت کا سبق دیں گے، وہ ڈرامے لکھے گا، ناول تصنیف کرے گا، اور ایسے کردار سامنے لائے گا جن کی پاکیزگی کی قسمیں کھائی جائیں گی اور جن کے اک اک ادا پر لوگ قربان جانے کی سوچیں گے۔

اسلامی ادب میکیاویلی سیاست کے اصولوں کو پامال کرے گا کہ جس کی گانٹھ اور ساری خرابیوں کا سرچشمہ یہی ہے، یہ ادب ان مراکز کا بھی ستیاناس کرے گا جہاں انصاف و عدالت کی حلقوم پر چھریاں پھیر دی جاتی ہیں، یہ مظلوموں کی حمایت میں آواز بلند کرے گا، یہ ظلم و زیادتی کے سیلاب کے خلاف بند باندھے گا، ظالموں کا کالر پکڑ کر دھکے دے گا، یہ ان فوجیوں کی حوصلہ افزائی کرے گا جن کی گولیوں سے ظالموں کے سر چھلنی ہو جائیں، یہ عدالت و صداقت کی جدوجہد کو آگے بڑھائے گا، ہر طرف خلوص و محبت کا چرچا کرے گا، حقیقی مساوات، خوشحالی اور عروج و اقبال کی منزلوں کی نشاندہی اس کی اولیں ذمہ داریوں میں سے ایک ہوگی۔

اسلامی ادب زندگی کے ہر جز سے بحث کرے گا اور مضطرب انسان کی کامل رہنمائی کا بیڑا اٹھائے گا، یہ جمالیات یا حسن و جمال کا مخالف نہیں، لیکن عورت کے رسیا اور سماج دشمن لوگوں کی ہوس کی تسکین کے لئے اس کے پاس کوئی سامان بھی نہیں، یہ معاشرے میں عورت اور مرد کو ان کے جائز مقام پر فائز کرے گا، زن و مرد کے تعلق اور محبت پر پابندی نہیں لگائے گا لیکن اس کے لئے ایک دائرہ بنائے گا اور اعلیٰ اخلاقی اصول مرتب کرے گا۔

وہ ناول اور افسانوں میں ایسے ہیرو پیش کرے گا جو لطیف جذبات سے مالامال ہوں گے، لیکن اظہار جذبات کے طریقوں کو سنجیدگی اور وقار عطا کرے گا، اگر بوس و کنار انسان کی ایک جائز خواہش کی تکمیل کرتے ہیں تو اسے کیا پڑی ہے کہ اس پر پابندی عائد کرے لیکن وہ ایسا سر بازار کرنے کی اجازت نہیں دے گا کہ اس سے حیوانوں اور انسانوں کے درمیان جو خط تمیز ہے مٹ جاتی ہے، ہونٹوں کی ملاقات اور لمس ایک نیک عمل ہے، اگر جائز حدود کے اندر رہ کر کئے جائیں، لیکن خوشنما عمارتوں میں بیہودگی اور فحاشی کے کلب قائم ہوں، عورت کے سودے بازی کے اڈے، شراب و کباب اور عیش و عشرت کے لئے تفریح گاہیں بنائی جائیں، اعلیٰ حسن و محبت کی پاکیزہ روایات کو سر بازار رسوا کیا جائے تو اسلامی ادب ان باتوں کو برداشت نہیں کرے گا، اور ایسے جذبات کو کچلنے کی پوری کوشش کرے گا۔

اسلامی ادب دراصل انسانی ادب ہے، وہ مثالی انسان کی تعمیر کا خواب دیکھتا ہے، وہ ایسے انسان کو پسند نہیں کرتا جو پیٹ کا بندہ بن کر رہ جائے، اس کی ساری تگ و دو صرف اپنے پیٹ کے لئے ہو، اس کی زندگی کے ستار میں اس دھن کے علاوہ کوئی اور نغمہ نہ ہو، وہ صبح آٹھ بجے سو کر اٹھے، ۹ بجے تک ناشتہ اور دوسری ضروریات سے فارغ ہو کر اپنے آفس کی

راہ پر چل پڑے، جہاں رات گئے تک فائلوں اور رجسٹروں میں سر جھکائے قلم چلاتا رہے اور پھر وہاں سے اٹھ کر گھر آئے، کھائے اور سو جائے۔ اسے دنیا کی رنگینیوں اور آس پاس کی چیزوں سے کوئی دلچسپی نہ ہو، دنیا کے انسانوں سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔ ایسی جامد اور بے ذوق مشینی زندگی اسلامی ادب کے تعمیری خاکوں کے مطابق نہیں ہے —— وہ ایسے انسان کو بھی پسند نہیں کرتا جو آل زندگی سے بے خبر کلبوں اور عشرت کدوں میں آوارہ گردی کرتا پھرتا ہے۔ وہ ایسے انسانوں کو بھی اچھی نظر سے نہیں دیکھتا جو دغا و فریب کا سہارا لے کر آگے بڑھنا اور ترقی کی منزلیں طے کرنا چاہتے ہیں۔ اس کی نگاہ میں وہ ادیب قابل قدر جو صرف خوشنما الفاظ کا دھنی ہو، اس کے نزدیک وہ مقرر بھی خوش مقال نہیں جو عمل کی نعمت سے محروم ہے۔ وہ ایک ایسا انسانی پیکر تراشے گا جو خوش جمال بھی ہو، خوش خصال بھی ہو، اس کے اندر لطیف جذبات ہوں مگر وہ بندۂ ہوس نہ ہو۔ وہ زندگی کی دلچسپیوں سے لطف اندوز بھی ہوتا ہو، اور مسائل زندگی کے لئے فکر مند بھی ہو، وہ خوش کن شاموں اور پر نور راتوں کا شائق تو ہو مگر بدمست اور بے فکرا نہ ہو، وہ ایسا مشینی انسان بھی نہ ہو جو فکر و جہاں سے بے خبر محض اپنے پیٹ پر نظر رکھتا ہے۔ وہ اپنی دنیا میں مگن ہو مگر باہر کے لوگوں سے بے خبر نہ ہو۔ وہ اپنے فلیٹ کی چہار دیواری میں گھر کر نہ رہ جائے، بلکہ اسے بلڈنگ کے دوسرے فلیٹوں کی بھی خبر ہو، سماج کے بے کسوں سے اسے ہمدردی ہو اور معاشرے کی بہبود کے لئے فکر مند ہو، ملک و قوم کی خدمت کا جذبہ رکھتا ہو، اسے اپنی زندگی اور اس کے مقصد کا شعوری احساس ہو اور اس کا عمل بھی اسی کے مطابق ہو۔

اسلامی ادب ایسی حکومتوں کا خاکہ پیش کرے گا، جو مساوات، بقائے باہم اور امن و آشتی کی علمبردار ہوں گی، جن کا ظاہر و باطن ایک اور دلوں میں نفاق نہ ہوگا۔ جن کی نیتوں میں کھوٹ اور عمل میں منافقت نہ ہوگی، جو عوام دوستی اور انسانیت نوازی کو سینے سے لگانا پسند کریں گی، اور انسانوں کو حقیقی کامیابی سے ہمکنار کرنا ان کا اساسی مقصد ہوگا۔

اسلامی ادب ان عالمی اداروں کی حوصلہ افزائی کرے گا جو صرف خوشنما تقریروں کے مراکز نہ ہوں بلکہ حقیقی معنوں میں ان سے انسانیت کو فائدہ پہنچتا ہو اور وہاں سے امن و آشتی کے چشمے پھوٹ کر اقوام عالم کو سیراب کرتے ہوں۔

اسلامی ادب اپنے مثالی ہیرو اور لازوال کردار کی تعمیر و تشکیل کے لئے اس فرسودہ نظام زندگی پر ضرب لگائے گا جو اقوام عالم کے درمیان نفرت کے بیج بوتا ہے اور جو روشنی کا خواب دکھا کر انسانوں کو تاریکیوں کے کھڈ میں ڈھکیل دیتا ہے۔

وہ موجودہ حکمرانوں کے شائستہ اور دلکش القاب کے طلسم کو توڑے گا، نیتوں کے کھوٹ کو واضح کرے گا اور ایک ایسے نظام زندگی کا خواب دکھائے گا جو صداقتوں کو دیکھنے والا، صداقتوں کو سننے والا اور صداقتوں کی شہادت دینے والا ہو۔

// // // //

"حیاتِ نو" کے مالی تعاون کے ساتھ ساتھ
آپ کے نیک مشورے بھی درکار ہیں۔

(از محمد حسنین سید)
دربھنگہ

میں بھی حاضر تھا وہاں......

ہفت روزہ دعوت ۸ر جون ۸۲ء میں دو یادگار صحبتیں مولانا سید حامد علی صاحب کا مضمون نظر سے گذرا، اس میں اس جملہ نے " واضح رہے کہ کچھ عرصہ قبل مولانا مودودی ہی کے مشورے پر مولانا علی میاں تبلیغی جماعت کے لیے یکسو ہو چکے تھے " میری یاد کو اس تاریخی مجلس کی طرف کھینچا، جس میں برادر بزرگ محترم مولانا علی میاں مدظلہ نے تبلیغی جماعت کے لئے مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت لی تھی۔

یہ ۲۶ر ۲۷ر مارچ ۴۳ء اجتماع پٹھان کوٹ کے موقع کی بات ہے۔ اس میں مولانا علی میاں اور مولانا عبد الغفار ندوی مشہد بالا کورٹ کے تاریخی مقامات کی زیارت کے بعد شریک ہوئے تھے۔ مولانا مسعود عالم ندوی پٹنہ سے اور اس ناکارہ کو بھی دربھنگہ سے طلب کیا گیا تھا۔ اس اجتماع کے اختتام کے بعد بیشتر شرکاء واپس جا چکے تھے اور کچھ لوگ ضرور رک گئے تھے۔ ان میں مولانا علی میاں اور مولانا عبد الغفار ندوی اور میں بھی تھا۔ ایک روز سہ پہر کی چائے کی مجلس میں جس میں مولانا مودودیؒ، مولانا علی میاں اور مولانا عبد الغفار ندوی اور میں بھی تھا۔ مولانا علی میاں نے جو اس وقت جماعت کے باضابطہ رکن تھے مولانا مودودیؒ کے سامنے یہ بات رکھی کہ مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا اب بالکل آخیر وقت آچکا ہے۔ اب زیادہ دنوں زیست کی توقع نہیں رہی، تبلیغی جماعت میں مخلص لوگوں کی کثرت ہے، مگر مولانا الیاسؒ کو ان کے سامنے اسلام کو جامع اور واضح طور پر پیش کرنے کا موقع نہیں مل سکا اور ان کا وقت پورا ہوتا محسوس ہوتا ہے ضرورت ہے کہ ہم میں سے کچھ لوگ اس جماعت میں جائیں اور اسلام کے جامع تصور کو واضح طور پر پیش کرنے کی کوشش کریں۔

مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ " اگر آپ ایسا کرنا مناسب سمجھتے ہوں تو آپ اس میں جا سکتے ہیں۔ میری طرف سے اجازت ہے، مگر میرے خیال میں آپ کو اس میں کامیابی نہیں ہوگی۔ "

اس کے بعد مولانا علی میاں جب لکھنؤ واپس تشریف لے گئے تو جماعت اسلامی کے ہفتہ وار اجتماع میں شرکت ترک کردی اور وہ جماعت اسلامی کی رکنیت

سے سبکدوش کر دیئے گئے۔

جماعت کا ضابطہ ہے کہ جو رکن جماعت بلا عذر شرعی جماعت کے ہفتہ وار اجتماع میں لگاتار تین اجتماعات میں شرکت نہ کرے اس کو جماعت کی رکنیت سے سبکدوش کر دیا جاتا ہے۔ ایسے رکن کے اس طرز عمل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ جماعت اور نظم جماعت کی اہمیت کو نہیں سمجھ سکا ہے اور اگر سمجھ سکا ہے تو اس سے نظم جماعت کی پابندی نہیں ہو سکتی تو ایسا آدمی جماعت کے لئے مفید نہیں ہو سکتا۔

مولانا علی میاں کی جماعت کی رکنیت سے سبکدوشی کا تذکرہ جب مولانا مسعود عالم ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مجلس میں آیا جو مولانا علی میاں کے نہایت مخلص و معتقد میں تھے، تو ان کو بہت افسوس ہوا۔ میں نے مولانا مسعود عالم ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ مولانا علی میاں مولانا مودودیؒ کی اجازت سے تبلیغی جماعت میں گئے اور میری موجودگی میں جو گفتگو مولانا علی میاں کی مولانا مودودیؒ سے ہوئی تھی اس کو نقل کیا تو مولانا مسعود عالم نے بڑے تاسف کی حالت میں فرمایا کہ "مولانا علی میاں کو بہت قریب سے جانتا ہوں ندوہ میں بہت دنوں ہم ایک ساتھ رہے ہیں۔ وہ ہم سب میں نہایت متقی آدمی ہیں، ندوہ میں تعلیم کے زمانہ میں جب ان کو شب میں غسل کی حاجت ہو جاتی تو ان کو چین نہیں آتا اس وقت جب تک گومتی ندی میں جا کر غسل نہ کر لیتے۔ مگر میرے خیال میں ان کے اندر اجابت رائے اور عزم و حوصلہ کی کمی ہے۔ ان کو جماعت کی رکنیت سے سبکدوش نہیں ہونا چاہیئے۔ تبلیغی جماعت میں خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوگی۔ تبلیغی جماعت میں مذہب کا ایک خاص تصور رکھنے والے ایک خاص مزاج اور طبیعت کے لوگ ہی جاتے ہیں، ان کو جماعت کی انقلابی اور آزمائشوں سے پُر دعوت کا سمجھانا بہت مشکل کام ہے۔

مولانا علی میاں کا اپنا اعتراف

جب مولانا مسعود عالم ندویؒ کا پاکستان میں انتقال ہوا، مولانا علی میاں کو لکھنؤ میں اطلاع ہوئی میں ان دنوں اتفاق سے لکھنؤ میں تھا، دفتر جماعت اسلامی بارود خانہ میں ٹھہرا ہوا تھا، ایک روز قبل مولانا علی میاں کی خدمت میں حاضری دے آیا تھا، مولانا علی میاں اس الم ناک خبر سے مطلع کرنے اور تعزیت کی خاطر دفتر جماعت اسلامی بارود خانہ میں تشریف لائے اور ایک خاص تاسر و تاسف اور غم کی حالت میں فرمایا

"مسعود ہم سب میں بازی لے گئے، خرابی صحت، کمزوری ولقاہت کے باوجود انہوں نے مجاہدانہ کارنامے انجام دیئے، ایک مقصد کی خاطر پٹنہ میں خدا بخش خاں لائبریری کی سرکاری ملازمت ترک کی، ضعیف والد اور اپنے عزیزوں کی جدائی گوارا کی، حق کی خاطر قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، وطن عزیز سے ہجرت کی، اور غریب الوطنی میں جان دی، ان کے مقابلہ میں میں تصنیف و تالیف کے مشغلہ میں زندگی گذار رہا ہوں۔

گذشتہ دنوں کی بات ہے کہ مولانا علی میاں مدظلہ برادر محترم مولانا حافظ ڈاکٹر سید عبدالحفیظ صاحب کی دعوت پر ۵ر اپریل ۸۶ء کو دارالعلوم جامعہ احمدیہ سلفیہ دربھنگہ میں تشریف لائے، سلفیہ میں ان کی تقریر کا انتظام کیا گیا تھا، میں بھی ان کی تقریر سننے اور ان سے شرف ملاقات کی سعادت حاصل کرنے سلفیہ گیا۔ ختم تقریر کے بعد مولانا محترم سے ملا۔ تو مولانا علی میاں نے از راہ ذرہ نوازی فرمایا کہ "کیا یہ ممکن ہے کہ مظفر پور تک آپ کا ساتھ ہو" میں نے بلا تامل عرض کیا کہ بالکل ممکن ہے۔ آپ جیسے حضرات کی صحبت

اور رفاقت بڑی سعادت اور غنیمت ہے۔

چنانچہ میں ان کے ساتھ ہو گیا۔ دربھنگہ مظفر پور کا سفر موٹر کار سے تقریباً دو گھنٹوں کا رہا، اس سفر میں مولانا محترم سے استفادہ کا اچھا موقع ملا۔ اس کار میں مولانا اور میرے علاوہ مولانا کے دو رفیق سفر اور تھے، ان میں ایک صاحب لکھنؤ سے ان کے ساتھ آئے تھے، اور ایک صاحب مدرسہ چین پور بنگرا کے تھے جہاں مولانا دربھنگہ سے واپس جا رہے تھے وہاں ان کو خطاب کرنا تھا اور ایک عمارت کا سنگ بنیاد رکھنا تھا، ندوہ اور چین پور بنگرا کے رفیق سفر موٹر کی اگلی صف میں تھے پچھلی صف میں مولانا اور میرے علاوہ مولوی سید شاہ اسعد بھی تھے جو مولانا کے عقیدتمندوں میں ہیں۔ صبح ہی سے مولانا کے ساتھ تھے۔

اس سفر میں مولانا محترم سے پٹھان کورٹ کی مارچ ۱۹۴۲ء کی مجلس کا ذکر بھی آ گیا جس میں مولانا محترم نے مولانا مودودیؒ سے تبلیغی جماعت میں جانے کی اجازت لی تھی، مولانا محترم کو وہ مجلس یاد آ گئی اور فرمایا کہ

"یہی وجہ ہے کہ میں جماعت سے الگ ہوا تو میں نے اخبار کو کوئی اختلافی بیان نہیں دیا۔ جب کہ جماعت سے الگ ہونے والے اور حضرات نے دیا ہے میرے تعلقات جماعت کے ہند و پاک کے رفقاء سے ہمیشہ اچھے رہے ان سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ جب کبھی میں پاکستان گیا تو مولانا مودودیؒ سے ان کے یہاں جا کر ملاقات کی۔ دمشق کی ایک موتمر اسلامی میں شرکت کے لئے گیا، مولانا مودودیؒ بھی اس موتمر میں مدعو تھے، وہ اور میں الگ الگ مقامات پر ٹھہرے تھے میں مولانا مودودی کی قیامگاہ پر گیا اور ان کے ساتھ ہو کر موتمر کے اجلاس میں شریک ہوا تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ میں اور وہ ایک ہی فکر و خیال کے ہیں"

اسلام کا مستقبل کیا ہے؟

[مولانا مودودیؒ سے ایک سوال]

ایک صاحب نے جو اپنے بچے کو گود میں لئے بیٹھے تھے، کہا:

"مولانا! اسلام کا مستقبل کیا ہے؟"

مولانا نے فرمایا:

"مسلمانوں کے مستقبل کی بات کیجئے، اسلام کا مستقبل تو کبھی خطرے میں نہیں پڑا، خطرہ حق کے لئے نہیں ہوتا، خطرے میں وہ لوگ ہوتے ہیں جو حق کو جانتے بھی ہوں، اسے مانتے بھی ہوں اور پھر بھی اس پر عمل پیرا نہ ہوں ـــــ آپ دیکھیں کہ حفظانِ صحت کے کچھ اصول ہیں، انسان اس پر عمل کرے تو اس میں اسی کا بھلا ہے، عمل نہیں کریگا تو وہی نقصان اٹھائے گا، ان اصولوں پر اسکا کیا اثر پڑیگا، اگر تمام دنیا کے لوگ بھی حفظانِ صحت کے اصولوں کی خلاف ورزی کر کے اپنے آپکو بیماریوں میں مبتلا کریں تو اس سے ان اصولوں کا کچھ نہیں بگڑیگا، اصول ہمیشہ قائم رہتے ہیں ان کا مستقبل کبھی تاریک نہیں پڑتا ـــــ اسی مثال کی روشنی میں آپ دیکھئے کہ اگر مسلمان اسلام پر عمل کرتے ہیں تو اس میں انکی اپنی نجات ہے اور اگر وہ عمل نہیں کرتے تو نتیجہ بھی اس سے مختلف نہ ہوگا جواب تک دیکھنے میں آ رہا ہے۔"

مطالعے کی میز پر — عبید اللہ فہد فلاحی علی گڑھ

نظریۂ فرائڈ پر ماہرین نفسیات کی تنقید

نظریۂ جنسیت میں اسی قسم کی خامیوں اور بے ضابطگیوں کا نتیجہ تھا کہ فرائڈ اپنے دور کے ماہرین نفسیات سے یہ نظریہ منوا نہ سکا اور اس نے اس کی کھل کر تردید کی۔ چنانچہ میکڈوگل نے اپنی مشہور کتاب "اساس نفسیات" میں کتے کی مثال دے کر سمجھایا ہے کہ ایک کتا جو انتہائی سردی میں ٹھٹھرتا ہوتا ہے اور رات کی تاریکی میں کوئی اس کی نگہبانی کرنے والا نہیں ہوتا ہے، اتفاق سے کسی انسان کا ادھر سے گذر ہوتا ہے اور کتے کی حالت زار دیکھ کر اس کا دل تڑپ اٹھتا ہے پھر انتہائی محبت وہمدردی کے عالم میں اس کو اپنے گھر لاکر زندگی بھر ہر طرح سے اس کی حفاظت وکفالت کرتا ہے اور مرجانے پر باقاعدہ اس کو دفن کرتا ہے، کیا اس کتے سے جو محبت ہمدردی پیدا ہوئی اس میں بھی جنسی وشہوانی محبت کی کارفرمائی تھی؟ چنانچہ وہ کہتا ہے "میں نے کتے کی مثال اس لئے لی ہے کہ اس سے فرائڈ کے اس عقیدہ کی تردید ہوتی ہے کہ ہر محبت بالضرور جنسی اشتہائی جبلت کو شامل ہوتی ہے۔"

اسی طرح فرائڈ کا مشہور شاگرد الفریڈ ایڈلر اس نظریہ سے مطمئن نہ ہوسکا اور برابر اس کی مخالفت کرتا رہا حتیٰ کہ اپنے استاد کی رفاقت بھی ترک کردی۔ ایڈلر نے فرائڈ کی غیر تسلی بخش نظریۂ لاشعور کی جگہ "حب تفوق" کا نظریہ ایجاد کیا کہ جذبہ لاشعور کی نوعیت جنسی نہیں ہے بلکہ حب تفوق اور اس مخالف مذہب کا نام اس نے انفرادی نفسیات رکھا ہے

حتیٰ کہ فرائڈ سے لیکر اب تک نفسیات کے جو مختلف اسکول وجود میں آتے ہیں، وہ باہمی اختلافات کے باوجود اس مشترکہ کوشش میں معروف رہے ہیں کہ نفسیات کا کوئی اقدار سے آزاد علم (Value free Science) وجود میں لائیں مگر یہ ایک واقعہ ہے کہ ایک صدی کی مسلسل کوششوں کے باوجود وہ اس منزل تک پہنچنے میں بالکل ناکام رہے ہیں۔ حتیٰ کہ اب ان کے درمیان ان کے خلاف رد عمل شروع ہوگیا ہے۔ مثال کے طور پر امریکہ کا مشہور ماہر نفسیات ابراہم میسلو (۱۹۰۸-۱۹۷۰) جو خود ثبوتی کرداریت (POSITIVISTIC BEHAVOUR-ISTIC TRADITION) کے زیر سایہ تیار ہوا تھا اپنی عمر کے آخر حصہ میں وہ انسانی فطرت کے دور تر گوشے (FRATH-ER REACHES OF HUMAN NATURE) کی تلاش میں معروف ہوگیا Abraham Maslow کا کہنا ہے:

"Psycology and voluntarily restricted itself to only half of its rightful gurisdiction"

"نفسیات نے اپنے جائز حدود کار کے نصف حصہ سے بطور خود اپنے آپ کو روک لیا ہے۔" [الرسالہ مئی ۱۹۷۸ء]

ہے وہی ساز کہن

جنھوں نے مغربی تہذیب کا بنظر غائر مطالعہ کیا ہے ان کی نگاہوں سے یہ بات مخفی نہیں کہ آج مغربی قافلہ اسی راستہ پر چل رہا ہے جس پر کبھی رومی گذرے تھے۔ رومیوں نے یونانیوں کی اتباع کی تھی اور یونانیوں نے مصر، شام و روم فلسطین اور دو آبہ قوموں کی اتباع کی۔ اور انھوں نے تاریخ سے پہلے کی قوموں کی اس کا مطلب یہ ہوا کہ غیر مہذب اور وحشی انسانوں نے زندگی کی شاہراہ بنائی اور ان کے چھوڑے ہوئے تمدنی سرمایہ کے ساتھ سامی اقوام اسی شاہراہ پر چلتی رہیں پھر ہر جری قوم اسی راستہ پر چلی۔ ہر قوم کچھ نہ کچھ تبدیلی اور اضافہ کے ساتھ اسی راستہ پر بڑھتی رہیں۔ اہل بابل نے سومیریوں کی دکھائی ہوئی راہ پر سفر کیا۔ ان کے پیچھے آشوری آئے، ادھر سے مصری قدیم روایت کے ساتھ چلے۔ دونوں شام و فلسطین کے علاقہ میں مل گئے اور ان کے پیچھے یہودی اور فینیشی آئے، ان کے نقش قدم پر اہل کریٹ ان کے پیچھے یونانی اور ان کے بعد رومی — زندگی کی طویل شاہراہ پر قافلے آگے پیچھے نظر آتے ہیں

_____ ۱۵ ویں صدی کے بعد مغربی قافلہ جو روم کی تباہی میں قدیم شاہراہ پر گامزن تھا منتشر ہوگیا لیکن پھر دوبارہ اسی راہ پر چل پڑا یعنی رومی شاہراہ پر اور اب اسی پر چل رہا ہے یا یوں کہئے کہ ہر قدم پیچھے کی طرف پڑ رہا ہے اور مغربی قافلہ کسی نئی راہ پر نہیں چل رہا ہے بلکہ قدیم راستہ پر ہی گامزن ہے [۲۳]

مثال کے طور پر نظریہ فرائڈ کو لے لیجئے۔ فرائڈ نے آزادانہ جنسی اختلاط کی حمایت کی اور اس کے لئے پورا فلسفہ اسے وضع کرنا پڑا لیکن اس پر آپ کو تعجب نہ ہونا چاہئے کہ اس سے پہلے بھی لوگ آزادانہ جنسی اختلاط کی حمایت کر چکے ہیں اور انھوں نے معاشرے کی پابندیوں اور بندشوں کو توڑ دینے کی دعوت دی ہے

بعض محققین کا خیال ہے کہ بالکل ابتدا میں آزادانہ جنسی تعلقات تھے یعنی بالکل جانوروں کی طرح شادی بیاہ کوئی جانتا ہی نہ تھا۔ مارگن (Margan) جس نے غیر مہذب قبائل کی زندگی کا گہرا مطالعہ کیا ہے، کہتا ہے کہ پہلے قبیلہ کے اندر بلا امتیاز جنسی تعلقات تھے اس کا مطلب یہ ہوا کہ قبیلہ کی تمام عورتیں تمام مردوں کی مشترکہ بیویاں ہوتی تھیں اور دوسری طرف سے دیکھئے تو عورتوں کے شوہر بھی مشترک ہوتے تھے اور ان سے جو بچے پیدا ہوتے تھے وہ بھی مشترک سمجھے جاتے تھے۔

عورت کی بد چلنی کوئی گناہ کی بات نہ تھی بلکہ ایک جرم تھا وہ بھی اس وقت جبکہ شوہر کی مرضی کے خلاف ہو ورنہ وہ خود اس سلسلہ میں کافی فیاض واقع ہوا تھا۔ اپنے دوست یا مہمان کی دلجوئی کی خاطر بلا تکلف اپنی بیوی کو پیش کر دیتا تھا کیوں کہ وہ جائداد کے مثل تھی۔

تقریباً ۱۷۰۰ تا ۱۲۰۰ کا زمانہ جزیرہ کریٹ کی تاریخ کا سنہری دور سمجھا جاتا ہے۔ اتنے قدیم دور میں بھی عورت کو مکمل آزادی حاصل تھی۔ وہ ہر جگہ مردوں کے دوش بدوش کام کرتی تھی، پبلک اجتماع میں نہایت آزادی کے ساتھ شریک ہوتی۔ کھیل کے میدان میں آگے کی نشستوں پر بیٹھتی نہ صرف دیکھتی بلکہ بڑھ چڑھ کر حصہ بھی لیتی تھی، رنگین، بھڑکیلے چست، جاذب نظر کپڑوں میں ملبوس سینہ کو بالکل عریاں کئے ہوئے، لبوں پر سرخی لگائے ہوئے اور ہیٹ اوڑھے محفلوں اور معاشرہ کے دوسرے شعبوں میں "رنگ پاشی" کرتی نظر آتی تھی۔ [۲۴]

یونان کے مشہور اسٹیٹ اسپارٹا میں شادی سے پہلے کافی جنسی آزادی تھی اس لئے طوائف یا "سوشل گرلز" کے یہاں زیادہ چرچے نہ تھے۔ انہیں سن بلوغ تک بالکل برہنہ رکھا جاتا تھا تاکہ انہیں اپنی صحت اور تندرستی کا خیال رہے۔ لڑکوں کی طرح یہ بھی ورزشیں کرتی تھیں، کھیلوں میں حصہ لیتی تھیں، پبلک رقص اور جلوسوں میں بالکل عریاں

---

۲۳ مغربی تہذیب — آغاز و انجام ص ۶۰ — ۱۵۹

۲۴ تفصیل کے لئے: حیات یونان The life of Greece — Will Durant.

ج کرتی تھیں۔ عورتیں ڈھیلا لباس پہنتی تھیں جو کندھوں پر جھکا رہتا تھا اور بازو کھلے رہتے تھے، ٹانگیں بھی کھلی رہتی تھیں تاکہ نقل و حرکت میں دشواری نہ ہو۔

اسپارٹا کے مشہور مقنن لائکرگس کے بارے میں اس کے سوانح نگار پلوٹارک (Plutarch) نے لکھا ہے کہ وہ ایک جنسی اجارہ داری کا مذاق اڑایا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ لوگ کتوں اور گھوڑوں کی عمدہ نسل چلانے کی خاطر تو کوشش کرتے اور دولت خرچ کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں کو قید میں رکھتے ہیں تاکہ صرف انہیں سے اولاد ہو، چاہے بیوقوف، کمزور اور بیمار ہی کیوں نہ ہو۔

پھر ایک وقت آیا جب رومیوں نے ایران کو فتح کیا لیکن وہ ان کی تہذیب و ثقافت کے آگے گھٹنا ٹیکنے پر مجبور ہوگئے۔ یونانیوں نے اپنی مغلوبیت کے دور میں بھی رومیوں کو مذہب، ڈرامہ، اپنا اخلاقی نظام، اپنا فلسفہ و آرٹ اور اپنی ثقافت دیدی، یہ ایک ایسا سیلاب تھا جسے رومی مدبر نہ روک سکے اور پورا روم اسی تہذیب کے دھارے میں بہہ گیا۔

رومی عورتیں پردہ کو بالائے طاق رکھ کر میدان میں نکل آئیں اور کھلی مشاغل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگیں۔ ان میں سے ایک بڑی تعداد نے یونانی زبان سیکھی، یونانی فلسفہ کا مطالعہ کیا، نظمیں لکھیں، لکچر دیے، رقص و موسیقی کے کلب قائم کئے، ملازمتوں پر قبضے کئے، تجارت پر چھانے لگیں، زنا کاری عام بات ہو گئی اور یہاں بھی وہی کچھ ہونے لگا جو یونان میں ہوچکا تھا۔

اٹھارہویں صدی عیسوی میں جب صنعتی و سائنسی انقلاب یورپ میں آیا تو مروجہ عقائد و نظریات سب باطل ہو گئے۔ کلیسا کو زبردست شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اب دنیوی زندگی کو اہمیت دی گئی اور اس کی اچھی چیزوں سے جی بھر کر لطف اٹھانے کو زندگی کا مقصد قرار دیا گیا۔ اس نظریے کے علمبرداروں نے یونان و روم کی تہذیب اور اس کے ادب پر جب نظر ڈالی تو اسے نظریہ کی تائید میں پایا۔ پھر کیا تھا، اسی تہذیب کو بنیاد بنا کر ایک پورا فلسفہ تراشا گیا۔ زندگی کے تمام گوشوں کی اسی قدیم تہذیب کی روشنی میں رہنمائی کی گئی۔ اور اس طرح انسان ترقی کرتے کرتے پھر وہیں پہنچ گیا جہاں سے اس نے اپنے سفر کا آغاز کیا تھا۔ ؎

پھر آگئے وہیں پہ چلے تھے جہاں سے ہم

فرائڈ کے نظریے کو دیکھئے اور مندرجہ بالا افکار اور قدیم ماحول کو دیکھئے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ قدیم دنیا میں جنس کے متعلق جو نظریہ چلا آرہا ہے فرائڈ نے اس کی تکمیل کردی اور اپنے افکار و نظریاتی دلائل کے ذریعہ اسے تقویت پہنچائی ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ آج "جدید معاشرہ" اسی پگڈنڈی پر آگے بڑھتا جارہا ہے جس پر قدیم قومیں چل چکی ہیں۔

••

بقیہ "تہذیب جدید — انسانیت کا جنازہ"

(۲) وہ قومیں جو آج مادی ترقی کی چوٹی تک پہنچ چکی ہیں، ان میں اس تہذیب کی ہلاکت اور تباہی کے آثار صاف نظر آرہے ہیں، انہوں نے انسانی زندگی پر مشینی اور حیوانی زندگی کو ترجیح دے رکھی ہے، وہ انسان کی بنیادی خوبیوں کا کوئی خیال نہیں رکھتیں، وہ انسان کو مشین اور حیوان سے بالاتر سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہیں، ان کے علماء و مصنفین کی ایک بڑی تعداد آج اس کی ہلاکت خیز تباہیوں سے دنیا کو چوکنا کر رہی ہیں۔

تحریر
سید اسعد گیلانی

علماء صحافی اور دانشور اپنے حقیقی فرائض سے بے خبر ہیں ۔

[قوم کے ہر فرد سے خطاب]

میرا دل چاہتا ہے کہ ---- !!

اشتراکیت ایک پھندا ہے

صدیاں بیت گئی ہیں اور اسلام مسلمانوں کی موجودگی میں انسانی زندگی پر اثر انداز ہونے سے معذور ہو گیا ہے اس کے پاس ساری دنیا کے مسائل کا حل ہے ۔ عصبیت ، طبقاتی کشمکش ، جنگ و جدل اور افلاس سب کا حل موجود ہے ، لیکن اس کے نفاذ کی ذمہ داری مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے اور مسلمان اسے غیر مسلموں تک پہنچاتا تو کجا خود اپنے اندر نافذ کرنے سے بھی معذور ہیں یہ اس قوم کی بدقسمتی ہے کہ خزانہ گھر میں مدفون ہے اور دوسروں کے دروازوں پر کاسۂ گدائی لئے کھڑی ہے ۔ جس دین نے اسے گدڑیوں اور چرواہوں سے اٹھا کر سلطنتوں کا مالک بنایا تھا ، وہ دین اب بھی اس کے پاس موجود ہے ، لیکن وہ اس کیمیا سے دنیا بھر کے لئے سونا بنانے کے فن سے بے خبر اور بے پروا ہے ۔

اسی لئے میرا دل مسلمان قوم کی اس حالت پر غم و الم کے آنسو بہایا کرتا ہے اور جی چاہتا ہے کہ قوم کے ایک ایک فرد کو مخاطب کروں اور اس سے اپنا دکھ درد بیان کروں ۔

بارہا میرا دل چاہا ہے کہ اس سرزمین کے حاکم اعلیٰ سے کہوں کہ اے خدائے مطلق کے عاجز بندے جس دین کا تو نام لیوا ہے ، اس کے پیروؤں میں تو ان بندگان خدا سے ضرور واقف ہوگا جنہیں تاریخ ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کے نام سے یاد کرتی ہے ۔

ذمہ داری کے لحاظ سے تو اسی مقام پر کھڑا ہے جس پر وہ مقدس ہستیاں تھیں جو تاریخ کے دامن میں اپنی آب و تاب کے لحاظ سے بیش بہا موتی تھے جب انہیں خدا نے اپنے لاکھوں بندوں پر اقتدار دیا تو انہوں نے کس طرح اپنے اختیارات کو استعمال کیا تھا کس طرح ذمہ داری کے احساس سے ان کی راتوں کی نیندیں حرام ہوگئی تھیں ۔ کس طرح انصاف اور اخوت و مساوات میں انہوں نے انسانی تاریخ میں اپنی مثالیں قائم کر دی تھیں ۔ کس طرح بڑی سے بڑی فتح کے موقع پر بھی انہوں نے غلاموں کو اونٹوں پر بٹھا کر اور خود اونٹ کی نکیل تھام کر ثابت کر دیا تھا کہ اصل شوکت اخلاق اور تقویٰ کی ہے نہ کہ شاہانہ حشمت اور ناموری شان و شکوہ کی ۔ کس طرح انہوں نے بھرے مجمعوں میں جاہل سے جاہل اعرابیوں سے سخت سے سخت اعتراضات کو خوش آمدید کہا تھا ۔ کس طرح صداقت اور سچائی کی روح کو انہوں نے یہ کہہ کر فروغ دیا تھا کہ جب تک ہمارے درمیان ایسے حق گو لوگ موجود ہیں ہمیں امت مسلمہ میں فساد کا خطرہ نہیں ہے اور کس طرح بے لاگ تنقید کے موقعوں پر انہوں نے ہمیشہ یہ کہا تھا کہ اگر یہ حق بات بے لاگ ہمارے منہ پر نہ کہیں

تو ان میں خیر نہیں اور اگر ہم حق بات کو سکون قلب سے نہ سنیں تو ہم میں کوئی خیر نہیں ۔

میرا دل چاہتا ہے کہ اپنے ملک کے علماء سے مؤدبانہ گزارش کروں کہ اے منبر رسول ص پر تابعی بزرگوارو! اے امت مسلمہ کی رہنمائی کے مدعیو! یہ دین کے منبر کو چھوڑ کر دنیا پرستوں کی کاروں کے پیچھے دوڑنے میں تم اتنے بے باک کیوں ہو گئے ہو۔ کوئی غرض پرست ایسا نہیں رہا۔ جس نے اپنے اعمال قبیحہ کے جواز کے لئے تم میں سے کسی نہ کسی کو دین متین کا استہزا کرنے کے لئے مامور نہ کر رکھا ہو۔ تم جو امام ابو حنیفہؒ کی پیروی میں سعادت سمجھتے ہو۔ جانتے ہو کہ وہ تو بادشاہوں کے درباروں میں بھی جانا حرام سمجھتے تھے، تم جو امام احمد بن حنبلؒ کے مدح خواں ہو۔ جانتے ہو کہ وہ تو حق کے لئے برس ہا برس تک کوڑے کھا سکتے تھے اور جابر بادشاہوں کے سامنے کلمۂ حق کہہ کر جیل جا سکتے تھے۔ تم جو امام مالکؒ کے معترف ہو جانتے ہو کہ وہ تو حق کے لئے سخت سے سخت اذیت سہہ سکتے تھے تم نے تو امام شافعیؒ کی حق پرستی کا بھی ساتھ چھوڑ دیا، تم نے تو امام حسینؓ کے جذبۂ قربانی کو بھی سر بازار رسوا کر دیا۔

میں تم سے کیا کہوں کہ تم نے ہر قدم پر اللہ اور اس کے نبیؐ کے احکام سنائے اور پھر ہر قدم پر انہیں احکام سے چشم پوشی کی۔ تم نے شاہوں کو للکارا اور انہیں کے ہاتھوں بک گئے۔ تم نے حق کی پشت پناہی کی اور اسے ہی پیٹھ دکھا گئے، جب بھی باطل نے مصالحت اور مکر و فریب کا ہاتھ تمہاری طرف بڑھایا۔ تم نے ہمیشہ بصیرتِ مومن کو بالائے طاق رکھ کر اسے چوم لیا۔

شیخ بخارا اور سمرقند جہاں سے امام بخاریؒ جیسے بزرگان دین اٹھے اور جہاں صدیوں اسلام سربلند رہا وہاں تم نے روسیوں اور کمیونسٹوں کے ہاتھوں میں خود اپنے ہتھیار دیئے جب انہوں نے تمہاری ایک ایک گردن سے خون بہا دیا تمہاری مساجد کے ہر مینار پر اپنا یہ منشور لکھ دیا کہ آج سے یہاں مذہب کا نام بلند نہ ہو گا یہ تو پھر تمہیں معلوم ہوا کہ تم نے اپنی ہی تلواروں سے اپنے گلے کاٹے تھے ۔

آج پھر آزمائش میں پڑ گئے ہو، آج وقت تم سے تقاضا کرتا ہے کہ اپنے حجروں میں سے نکلو اور اپنے ملک کے معاشرے کو اسلام کے لئے تیار کرو۔ اگر یہاں بھی تم نے اپنی تاریخ کہنہ کو دہرایا اور اسلام کے خلاف کفر و الحاد کے ہاتھ میں اپنے فتووں کی تلواریں تھما دیں تو کیا تم بتا سکو گے کہ اسلام کے مورچے کو اس سرزمین سے بھی اکھاڑنے کے بعد تم نے کس زمین کے سینے پر اور کس آسمان کے تلے اپنی پناہ گاہ تلاش کر رکھی ہے ۔

میرا دل چاہتا ہے کہ اس ملک کے ادیبوں، شاعروں، مقرروں، صحافیوں اور اخباروں کے ایڈیٹروں سے بھی عرض کروں کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ تم نے مسند علم و دانش کا پر وقار مقام چھوڑ کر درباروں کا کام کیوں سنبھال لیا ہے۔ کوئی دن نہیں جاتا کہ تم کسی اقتدار پسند کے اشارے پر ششکائے جاتے ہو، اور سوسائٹی میں سے چن چن کر ہر اس شخص کی پگڑی اچھالتے نظر آتے ہو جو تمہیں شریف اور حق گو نظر آتا ہے ۔

علم کا کام انسان کو تذبذب اور شکوک کی دھندلاہٹ سے حق کی چمک اور وضاحت کی طرف لے جانا ہے لیکن یہ علم تمہیں کس کتاب کا حاصل ہوا ہے جو تمہیں ہر بھاری جیب کے پیچھے دوڑا دیتا ہے اور ہر اونچے تخت کے سامنے دست بستہ لا کھڑا کرتا ہے۔ تمہارا قلم اور تمہاری زبان تو خدا کی امانتیں ہیں جنہیں خدا ہی کی راہ میں اسی کا کلمہ بلند کرنے کے لئے چلنا چاہیئے ۔

اس لئے کہ کائنات کی سب سے بڑی حقیقت یہی ہے کہ خدا ہی اس کائنات کا مالک، خالق، آقا، حاکم اور مدبر ہے۔ بندوں کا تو کام ہی یہ ہے کہ وہ اپنے مالک کی رضا پر اپنی تمام قوتیں صرف کر دیں۔ اس نے اپنے دوسرے

ہمدردوں کی نسبت تمہیں گویائی اور قلم کی قوتیں زیادہ عطا فرمائی
گئی تھیں، چاہیے تو یہ تھا کہ تم اس نسبت سے ان قوتوں کو خدا کی
راہ میں صرف کرتے جس نسبت سے اس نے تمہیں دوسروں
کی نسبت یہ زیادہ دی ہیں لیکن اخباروں کے کالم، کتابوں
کے صفحے اور جلسوں کے پلیٹ فارم گواہ ہیں کہ تم نے اپنے قلم
کا لفظ لفظ خدا کی مرضی کے خلاف اور اپنی زبان کا حرف حرف
خدا کی منشا کے خلاف صرف کر ڈالا ہے۔ جو خدا کا بندہ بھی اپنا
فرض نبھانے جیسے اپنی عبودیت ادا کرنا چاہے، تم قلم کے
لٹھ اور زبان کے بھالے لے کر اس کے پیچھے پڑ جاتے ہو، اور
جو اقتدار پسند اور نفس پرست تمہیں اپنی اغراض کا خادم بنانا
چاہے تم فوراً اپنی خدمات اس کے سامنے پیش کر دیتے ہو۔

تم نے ان لوگوں کے بے شمار قصیدے لکھے جن کی ذلت
سے الفاظ کا پردۂ ناموس بھی چاک ہوتا تھا اور تم نے ان لوگوں
کو مطعون و معتوب کیا جن کی عصمت و پاکیزگی اور خلوص و دیانت
داری پر ان کے دشمنوں کا دل بھی چپکے چپکے گواہی دیتا رہا۔
افسوس کہ زمانے کے چوراہے پر تم نے اپنی پیشانیاں اپنے ہی
ہاتھوں سے ذلت کی چوکھٹ پر رگڑ دیں۔ اور تمہارے ضمیر نے
تمہیں ایک شکی تک نہ دی، تم نے اپنے ہاتھوں اپنی کلاہ وقار
نوچ کر کباڑ خانے میں ڈال دی اور تمہاری حمیت نے ایک سسکی
تک نہ لی۔ میرا دل چاہتا ہے کہ اس ملک کے سرمایہ داروں،
جاگیرداروں اور زمینداروں سے کہوں کہ اے زندگی کے پر
تماشیو! اور اے عیش جہاں کے تماشیو! تم نے کبھی یہ
بھی سوچا ہے کہ سونے کی جس رتھ پر تم نے اپنا سفر زندگی شروع
کر رکھا ہے یہ تمہیں کس منزل تک پہنچائے گا۔

تم نے مغربی سرمایہ داری اور سامراجیت کے تخت پر
بیٹھ کر برسوں تک انسانوں کا خون چوسا ہے، اور برسوں تک
مظلوموں کے خون پسینے سے اپنے جام و مینا کو دوآتشہ کیا
ہے۔ لیکن اب اچھی طرح سمجھ لو کہ جو طوفان اب ایام کے دوش پر
سوار دنیا کے چاروں طرف پھیلنے کے لئے شمال کی طرف سے اٹھ
رہا ہے۔ اس کی زد سے تمہیں نہ سونے کی کشتیاں بچا سکیں گی
اور نہ رشوتوں کے چپو پار لگا سکیں گے۔ تم ہزاروں لوٹوں کی
دیواریں اپنی حفاظت کے لئے اور ہزار چیک بکوں کے انبار
اپنی پناہ کے لئے لگا دو۔ انقلاب کا ایک ریلا ہی ان سب
کو بہا لے جائے گا۔

زندگی کے افق سے وہ انقلاب ابھر رہے ہیں اور انہیں
تمہارے سروں پر سے بہر حال گزرنا ہے۔ اسلام کا انقلاب
تم سے اتنا ہی لے گا جتنا تم نے اپنے ظلم اور لالچ اور خود غرضی
سے دوسرے انسانوں سے چھینا ہے وہ تم سے حرام چھڑائے
گا اور حلال پر قانع رہنے کے لئے مجبور کرے گا، وہ تمہیں زندہ
رہنے اور دوسروں کو بھی جینے کا حق دے گا، وہ تم پر اس
طرح ظلم نہیں کرے گا جس طرح تم دوسرے انسانوں پر ظلم
ڈھاتے رہے ہو۔ لیکن سرخ انقلاب کی زد میں آ کر تم کسی پناہ گاہ میں نہ
چھپ سکو گے۔ کوئی پل تمہاری حفاظت نہ کرے گا اور کوئی گوشہ
تمہیں امان نہ دے گا۔ تمہاری پھولی ہوئی سر توند پھاڑی جائے
گی، اور تمہارا اگلا ہوا مال اگلوا لیا جائے گا۔ سڑکیں تمہاری کھوپڑیوں
بھری توندوں سے پٹ جائیں گی۔ سرخ سپاہی تمہاری کھوپڑیوں
سے فٹ بال کھیلیں گے، درختوں پر الٹے لٹکے ہوئے تمہارے
بے جان لاشوں کو تاکیں گے اور فضاؤں میں منڈلانے والے کوے
اور چیلیں تمہارے گوشت پر اپنی ضیافتیں اڑائیں گے۔

اب یہ تمہاری اپنی پسند ہے کہ تم کس کا ساتھ دو اور
کسے اپنی متاع زندگی حوالے کرو۔ اب بہر حال تمہیں اپنے مخملی
گدے لپیٹ دینے ہوں گے۔ اب بہر حال تمہیں سپرنگوں والے
گدوں سے اٹھایا جائے گا۔ اب زیادہ عرصہ تک تم پوری
بے حسی سے داد عیش دیتے ہوئے اپنے بنگلے کے پھاٹک پر
ایک بھوکے انسان کو تڑپتا ہوا نہ چھوڑ سکو گے۔ اب تمہیں نرم
و گداز بستروں سے اور بلند و بالا بنگلوں سے نکلنا ہی پڑے گا۔
اب تم زندگی کی ساری عیش سمیٹ کر اپنی ہی تجوریوں میں
بند نہ کر سکو گے۔ اب تمہیں وہ بند کھولنے پڑیں گے جو تم نے

دولت کی گردش لگا رکھے ہیں، اب اپنی ہستی کو برقرار رکھنے کے لئے تمہیں کسی ایک انقلاب کا ساتھ دینا ہو گا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ تمہیں آگاہ کروں کہ اگر تمہیں حق و انصاف اور رزق حلال سے گریز نہیں ہے تو اس انقلاب کو لانے کے لئے آگے بڑھو جو تمہیں بنیادی انسانی حقوق پورے کے پورے دے گا اور تمہارا حق تم سے نہ چھینے گا۔

میرا دل چاہتا ہے کہ اس ملک کے محنت کش کسانوں اور مزدوروں تیرہ عوام سے کہوں کہ اے بازار زندگی کے تہی دست بیوپاریو، اے میرے مظلوم بھائیو، یہ کون ہے جس نے تمہارے تکھوں کو رزق حلال سے خالی کر دیا ہے، یہ کون ہے جس نے انسانیت کا تمام وقار اور نفس کی تمام عزت تم سے چھپالی ہے۔

میں جانتا ہوں کہ تمہیں روزی کمانے کے غیر مساوی مواقع کی تقسیم نے کچل دیا ہے اور تمہیں اس جونک سے شکایت ہے جس نے مدتوں تک تمہارے جسموں سے جاگیردار، کارخانہ دار اور سرمایہ دار بن کر زندگی کا خون چوسا ہے لیکن تمہارا غصہ بے جا ہو گا۔ اگر تم یونہی بے دانت پیستے رہو اور پوری مشین کو اجازت دو کہ نصب ہے

اشتراکیت ایک پھندا ہے جو تمہارے سامنے روٹی کپڑا مکان کے نعرے لا لا کر پھینکتا ہے

، یہ لوگ تو اس سرمایہ داری نظام کے کل پرزے ہیں جو ایک مدت سے اس سرزمین پر مسلط چلا آرہا ہے۔

، تمہارا اصل دشمن تو یہ نظام ہے

، یہ فرنگی الحاد ہے جو شرف انسانیت سے محروم کئے دیتا ہے اور طاقتور کو اختیار دیتا ہے کہ وہ اپنے عیش کے لئے جس شمع کو چاہے گل کر دے

ملک خدا کا ہے اور اس میں سے روزی حاصل کرنے، کمانے اور زندہ رہنے کا حق خدا نے ہر انسان کو دیا ہے، جو خدا کی زمین پر اپنی ٹھیکیداری قائم کرتا اور دوسروں کو محروم کرتا ہے، وہ درندہ ہے، اور اس موذی درندے کو بے ضرر کرنے کے لئے اخلاقی قوانین کے پنجرے میں بند کرنا ضروری ہے۔

ساری حاجات کا کفیل ایک اسلامی نظام ہی ہو سکتا ہے

میرا دل چاہتا ہے کہ میں اپنے ملک کے مزدوروں اور کسانوں سے یہ بھی عرض کروں کہ تمہاری بیداری سے خائف ہو کر عالمی سرمایہ دار نے اور بھی بہت سے ہتھکنڈے اور پھندے ایجاد کر لئے ہیں تاکہ تمہیں پامال کرتا رہے جن میں سے ایک پھندا اشتراکیت بھی ہے، اب وہ تمہارے سامنے روٹی، کپڑا، مکان اور مشترک ملکیت کے نعرے لا لا کر پھینکتا ہے، اس مشترک ملکیت کا وہ خود ہی واحد مالک ہوتا ہے تاکہ تم اپنے آپ پر مغرب کے ملحد نظام کا ایک خبیث ترین جبر مسلط کر لو جو سراپا آمریت ہے، اور جو تمہاری ہمدردی کے نعرے پر تمہاری ہی مدد سے تم پر مسلط کیا جاتا ہے، یہ جدید دور غلامی ہے، وہ تم پر دو وقت کی روٹی کا دروازہ کھول کر باقی سب دروازے بند کر دیتا ہے، وہ تمہیں دو وقت کا چارہ دے کر پالتو مویشی کی طرح تمہارے گلے میں رسہ ڈال کر اپنے کھونٹے سے باندھ لیتا ہے، دو وقت کی روٹی کے عوض وہ تمہیں عمر بھر کے لئے ایک حیوان کی طرح استعمال کرتا ہے، نہ زمین تمہاری ہوتی ہے، نہ مکان تمہارا ہوتا ہے،

نہ جاگیر تمہاری ہوتی ہے، نہ محنت کا پھل تمہارا ہوتا ہے حتی کہ تمہاری بیوی تمہاری نہیں ہوتی، تمہارے بچے تمہارے نہیں ہوتے بلکہ یہ سب کچھ اس بڑے عظیم سرمایہ دار کی ملکیت کا ہوتا ہے، جو دس گھنٹے کام لینے کے بعد تمہیں دو وقت کی روٹی دیتا ہے۔ تم اس سرمایہ دار کے خلاف ہڑتال کر کے کسی دوسرے زمیندار سے زمین نہیں لے سکتے، اس لئے کہ وہ کھیت اور وہ کارخانہ سب کچھ اس ایک ہی بڑے سرمایہ دار کا ہوتا ہے۔ تم اس عظیم سرمایہ دار کو چھوڑو گے تو وہ تمہیں بھوکا مار دے گا۔

تم اس کے خلاف جلوس نہ نکال سکو گے اس لئے کہ وہ سڑک بھی اس سرمایہ دار کی ہوگی تم اس سے باغی ہو کر دوکان سے راشن تک نہ لے سکو گے، اس لئے کہ راشن کی دوکان بھی اسی سرمایہ دار کی ہوگی اور اتنا بڑا سرمایہ دار ہوگا کہ حکومت بھی اسی کی ہوگی پھر وہ حکومت تمہیں حیوانوں کی طرح زندہ رکھے گی اور حیوانوں کی طرح ہی مار دے گی۔ پھر سوچو کہ تم کیا کرو گے کدھر جاؤ گے جہاں تم فریاد بھی نہ کر سکو گے۔ اس لئے میں تم سے پوری دلسوزی سے کہتا ہوں کہ میرے عزیز بھائیو! انسانیت کے اس مقتل عظیم سے پناہ مانگو کہ چالاک سرمایہ دار نے سخت ترین پھندہ اگر تمہیں پھنسانے کے لئے تاریخ کے دور میں کبھی لگایا ہے تو وہ سرخ انقلاب کا پھندہ ہے۔

میرا دل چاہتا ہے کہ میں مسلمان عوام سے پکار پکار کر کہوں اور ان کے رگ رگ میں یہ یقین اتار دوں کہ ان کی فلاح اور پناہ ان کے دکھوں کا علاج، اور ان کے زخموں کا مرہم، ان کی بھوک پیاس، روٹی، کپڑے، مکان اور دیگر ساری حاجات کا کفیل ایک اسلامی نظام ہی ہو سکتا ہے، وہی نظام جو اے بے حس اور بے خبر مسلمانو! تمہارا دین اور تمہارا ایمان بھی ہے۔ تمہارا اپنا عقیدہ اور ایمان ہے۔ تم نے آج تک اس کی چھاؤں میں زندگی کا کوئی سانس نہیں لیا۔ یہی تمہاری میری اور دنیا کے ہر انسان کی بدقسمتی ہے۔ اب جس طرح تم نے اپنے اس ملک کے حصول کے لئے تاریخ کو اپنے ہاتھ سے موڑ دیا تھا اسی طرح اب تمہیں پھر اٹھنا ہوگا، تمہارے لئے بغیر ایمان کوئی تخت بھی نہ بیٹھے گا۔

میرا دل چاہتا ہے کہ اس ملک کی ہواؤں سے کہوں کہ کفر و ضلالت اور فسق و فجور کی گندگی کو، مغرب پرستی اور دہریت کی نجاست کو اپنے دوش پر لاد کر کہیں دور لے جاؤ، بہت دور، بحر اوقیانوس کے گہرے پانیوں میں، یا گمنام جزیروں میں لے جا کر ڈال دو، اور مدینۃ الرسول ﷺ کی گشتہ باد بہاری کو کہیں سے ڈھونڈ کر اپنے کندھوں پر لاد لاؤ، اور اس ملک کے گوشے گوشے کو اس پاکیزگی سے معمور اور معطر کر دو، اور اس قوم کے فرد فرد کے تنفس کو اسلامی نظام کی نسیم جانفزا سے اور فرد فرد کے ایمان کو حریت فکر اور صالح کردار کی تازگی سے مخمور و مسرور کر دو۔

امام احمد بن حنبلؒ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ ابو الہیثم نامی چور کے لئے دعائے خیر فرماتے تھے جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ ایک چور کے لئے دعائے خیر کیوں فرماتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ میرے ابتلاء کے زمانے میں اس نے اپنے عمل سے مجھے بڑا قیمتی درس دیا تھا جب مجھے بیڑیوں میں جکڑ کر اور اونٹ پر سوار کر کے لے جایا جا رہا تھا تو یہ شخص ایک جگہ راہ میں مجھے ملا اور اس نے مجھ سے کہا۔ "ابن حنبلؒ چوری کے جرم میں مجھے اتنی بار قید و بند کی مصیبتیں جھیلنی پڑی ہیں اور اتنے سو درے میری پیٹھ پر برسے ہیں، تاہم میں ابھی اس حرکت سے باز نہیں آیا۔ اگر میں شیطان کی راہ میں یہ مصائب جھیل کر اس طرح استوار رہ سکتا ہوں تو حیف ہے اگر تم خدا کی راہ میں ان مصائب کو پامردی سے برداشت نہ کر سکو۔"

یادوں کے چراغ

پروفیسر اکرم جلیلی

میں جس جادو سے ڈرتا تھا

وہ اک دن میرے دروازے پر آن پہنچا

دروازے پر دستک ہوئی میں چونک کر چارپائی سے اٹھا اور یہ دیکھنے کیلئے کہ اس وقت کون ملنے آیا ہے دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازہ کھولا تو سامنے ایک منحنی سا آدمی کھڑا تھا۔ سادہ لباس میں یہ دبلا پتلا سا آدمی جس کی آنکھیں اتنی چھوٹی چھوٹی تھیں اور ایسی معلوم ہوتی تھیں جیسے ان میں روشنی نہیں ہے۔ عجیب سا معلوم ہوا۔

"فرمایئے" ! میں نے کہا۔

"مجھے اکرم جلیلی سے ملنا ہے" اس نے بہت دھیمی آواز میں کہا جسے میں بڑی مشکل سے سن سکا۔

"میں ہی اکرم جلیلی ہوں" میں نے بے نیازی سے کہا۔

"مجھے آپ سے ملنا ہے۔ ہمارے گاؤں میں آپ کے ایک دوست عارف اختر ایکسائز انسپکٹر لگے ہوئے ہیں۔ انھوں نے آپ کی بہت تعریف کی تھی۔ انھوں نے بتایا تھا کہ آپ مذہبی رجحان رکھتے ہیں اور مطالعہ کا بہت شوق ہے میں اس سلسلے میں آپ سے ملنے آیا ہوں۔"

میں دروازے سے باہر آگیا اور اب ہم دونوں گلی میں کھڑے تھے "میرے پاس مولانا مودودی کی کتابیں ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ آپ ان کا مطالعہ کریں تاکہ دین کا صحیح تصور آپ کے سامنے آجائے۔"

مولانا مودودی کا نام سنتے ہی میرے ذہن میں اس جادوگر کی تصویر ابھر آئی جس کے جادو کے شیش محل سے میں بڑا خوف زدہ ہو کر بھاگا تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ یہ جادو کا شیش محل چکنا چور ہو گیا ہو گا۔ لیکن اب پھر وہی بات! یہ شخص اس جادوگر کا ایجنٹ معلوم ہوتا ہے۔

"کتابیں پڑھنے کا تو مجھے بہت شوق ہے! لیکن کیا مولانا مودودی کی کتابیں پڑھنی کوئی زیادہ ضروری ہیں۔ میں نے ان کی ایک آدھ کتاب پڑھی ہے۔" میں نے بیزاری سے اس شخص سے پیچھا چھڑانے کیلئے کہا۔

لیکن اس شخص نے بغل میں دبائی ہوئی ایک موٹی سی کتاب میرے ہاتھ تھما دی۔ "الجہاد فی الاسلام" ضخیم کتاب تھی۔ لیکن اس جادوگر کے ایجنٹ کی چندھیائی ہوئی آنکھوں نے مجھ پر ایسا سحر کیا کہ میں نے چپکے سے وہ کتاب پکڑ لی اور وہ شخص نہایت عاجزی سے سلام کر کے یہ کہتا ہوا کہ میں پھر حاضر ہوں گا چلا گیا۔

میں نے کتاب کے چند صفحات پڑھے۔ میں ایسی خشک کتاب پڑھنے کے موڈ میں نہ تھا۔ کتاب الماری میں رکھ دی۔ چند دنوں کے بعد وہ شخص جس کا نام شیخ عبدالرشید ہے۔ قیام پاکستان کے بعد وہ غالباً گوجرانوالہ میں قیام پذیر ہو گیا تھا۔ آج نہ جانے کہاں ہے۔ وہ گمنام کارکن جسے

اب کوئی نہیں جانتا ہوگا۔ شاید جماعت اسلامی کی لیڈر شپ بھی اسے فراموش کر چکی ہو اور یہ بدیہی حقیقت ہے کہ ایسے کارکن فراموشکاری کے اندھیاروں میں گم ہو جاتے ہیں جنھوں نے انقلاب کی جوت جگائی ہے۔

ہاں تو وہ شخص چند دنوں کے بعد پھر آیا۔ سلام دعا کے بعد پہلا سوال انھوں نے یہی کیا

"آپ نے وہ کتاب تو پڑھ لی ہوگی۔"

"نہیں ابھی نہیں۔ ابھی تو میں نے چند صفحے ہی پڑھے ہیں۔"

"پھر آپ اسے پڑھ لیجئے۔" میں پھر حاضر ہو جاؤں گا۔" اور وہ عاجزی سے سلام کر کے چلا گیا۔

اب تو یہ صاحب میرے سر پر سوار ہو گئے اور مجھے یقین ہو گیا کہ یہ شخص اسی جادوگر کا ایجنٹ ہے اور مجھے جادو کا شکار کئے بغیر نہیں چھوڑے گا۔

میں نے مرعوب ہو کر کتاب کو پھر پڑھنا شروع کیا اب میں نے بیزاریت سے نہیں دلچسپی سے مطالعہ شروع کیا اور جوں جوں صفحات پڑھتا جاتا میری دلچسپی بڑھتی جاتی اور ساتھ ہی تجدید و احیائے دین" "ترجمان القرآن" اور "دارالسلام" کی تصویریں میرے ذہن میں ابھرنے لگیں میں نے کتاب ختم کر لی اور اب میری حالت پھر اسی طرح کی ہو گئی جیسی تجدید و احیائے دین اور ترجمان القرآن کا ایک رسالہ پڑھ کر ہوئی تھی۔

اب میں اس جادوگر کا انتظار کرنے لگا چند دنوں کے بعد وہ آیا اور میں نے وہ کتاب ان کو واپس کر دی۔ میں نے انھیں بتا دیا کہ میں نے بڑی دلچسپی سے اس کتاب کو پڑھا ہے۔

"پھر آیئے! ذرا اس کتاب کے تاثر کے بارے میں کچھ گفتگو ہو جائے۔" اس نے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا میں اس کے ساتھ چل پڑا۔

ایک باغیچے میں بیٹھ کر انھوں نے جماعت اسلامی اس کے بانی، تحریک اسلامی اور اس کے اور مسلمانوں کی ذمہ داریوں کے بارے میں بہت کچھ کہا۔ میں اس کے شکنجے میں کس چکا تھا۔ اس نے مجھے دین کی وہ تصویر بتائی تھی جسے سامنے رکھے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا اور اقامت دین کے فریضے کی اہمیت اس انداز سے جتائی کہ مجھے تحریک اسلامی کا رکن بنے بغیر کوئی چارہ نہ رہا۔ میں نے اپنا ہاتھ اس شخص کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اس نے کہا کہ اپنے دوستوں میں کام کیجئے۔ انھیں بیدار کیجئے ان کے ضمیروں کو کچوکے دیجئے اور انھیں بھی تجدید و احیائے دین کی اہمیت سمجھائیے

بعد میں معلوم ہوا کہ شیخ عبدالرشید صاحب جامی گلی ہی میں کونے والے مکان میں رہتے ہیں۔ چھوٹا سا مکان ہے جس کا ایک ہی کمرہ ہے۔ پہلے وہ ڈاکخانہ کے محکمہ میں پوسٹ مین کی حیثیت سے ملازم تھے لیکن بعد میں مولانا مودودی کے لٹریچر کی روشنی میں انگریز کی نوکری کو حرام سمجھ کر چھوڑ دیا ہے اور اب وہ بیچارے بڑی تنگ دستی سے گذارا کرتے ہیں۔ اور چھوٹی موٹی مزدوری کر لیتے ہیں۔ اور جب انھوں نے یہ بتایا کہ جب مولانا مودودی دارالاسلام پٹھان کوٹ جاتے ہوئے راستے میں امرتسر ٹھہرتے وہ میرے ہی غریب خانے میں رہتے ہیں۔ تو میرا سینہ پھٹ پڑا کاش میں ان کو یہاں دیکھ سکتا یہاں دیکھ لیتا تو پھر انکے خوبصورت ڈرائنگ روم اور گھومنے والی کرسی کا طلسم مجھے ذلیل نہ کرتا۔

اب شیخ عبدالرشید اکیلا نہیں تھا۔ میں اس کا ساتھی تھا۔ میں نے تمام کشتیاں جلا دیں اور پوری تن دہی سے اس کام میں لگ گیا۔ میرے ایک دوست ریلوے میں گڈس کلرک تھے اور والدین نے انھیں گڈس کلرک اسلئے کروایا تھا کہ "اوپر کی آمدنی" کا بہت بڑا ذریعہ تھا۔

یہ میرا ساتھی عبدالباری بہت اچھا مصور تھا فنِ داؤدی کا مالک تھا جب بھی لے نکالتا تو پرندے بھی اڑتے ہوئے رک جاتے۔ میں نے اسکے سامنے تحریک اسلامی کا سارا منصوبہ پیش کیا مولانا مودودی کی کتابوں کا ذکر کیا۔ ان کے پڑھنے سے جو احساسات و تاثرات مجھ پہ گزرے وہ بیان کئے۔ وہ میری باتیں سن کر شیخ عبدالرشید سے ملنے کیلئے بیتاب ہو گیا۔

ایک دن ہم تینوں ایک باغیچے میں بیٹھے۔ شیخ عبدالرشید نے اپنی مدھم لیکن درد آمیز آواز میں تحریک اسلامی کا تعارف کرایا میرا ساتھی عبدالستار اسی وقت مسحور ہو گیا پھر کیا اپنی تمام بنائی ہوئی تصویریں گلی میں رکھ کر جلا دیں۔ "اوپر کی کمائی" سے ہاتھ اٹھا لیا اب کیا تھا اس کے گھر میں ہنگامہ ہو گیا۔ عبدالباری کے والد پٹواری تھے انھوں نے کہا میں نے تمہیں ریلوے میں گڈس کلرک پیسے کمانے کیلئے نوکر کروایا تھا کہ مودودی بننے کیلئے۔

بہرحال یہ آگ بڑھتی گئی اور ہم اپنے علاقے کے چھ سات نوجوانوں کو اپنے دام تجویز "میں پھانسنے میں کامیاب ہو گئے۔ ایک چھوٹے سے محلے میں تین چار نوجوانوں نے دینِ الٰہی کا صحیح تصور سمجھ کر اقامت دین کی خاطر انگریزی ملازمتوں کو چھوڑ دیا تو محلے میں کہرام مچ گیا۔ ان دنوں ملازمتوں کا حصول جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا۔ ملازمت کا ملنا اچنبھے کی بات تھی اور پھر ملازمت کسی مقصد کیلئے ترک کرنا اس سے بھی زیادہ اچنبھا بن گیا۔

بہرحال ان پانچ چھ نوجوانوں گھر والوں، رشتہ داروں دوستوں اور محلہ والوں کی لعنت و ملامت اور پند و نصائح کی پرواہ کئے بغیر اپنے مقصد کیلئے ڈٹے رہنے کا عزم کر لیا۔

زندگیاں بدل گئیں۔ روحانی لوگ جب زندگی کے کسی مقصد کو پا لیتے ہیں تو اس میں ڈوب جاتے ہیں۔

پہلے شعر و شاعری، عشق و عاشقی، لہو و لعب انکی زندگی تھی اب نماز روزہ قرآن و حدیث، اسوۂ رسول اور تبلیغ دین ان کی زندگی بن گئی۔

جب قلب و ذہن بدل جائیں تو زندگی کی ہر چیز بدل جاتی ہے جب میں گاؤں جاتا تھا تو عجیب صورت حال ہوتی تھی۔ دل میں جذبات کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر رہتا امنگیں ہوتیں ترنگیں ہوتیں اپنے آپ کو سج دھج کر خوبصورت لباس میں ملبوس اس انداز میں گاؤں جاتا جیسے گاؤں کی سب لڑکیاں مجھے دیکھتے ہی اپنے حواس کھو بیٹھیں گی۔

مگر آج میرے دل میں اللہ کی محبت کے سوا کچھ بھی نہیں تھا میرے تمام جذبات، تمام امنگیں، تمام ارادے اب اللہ کے دین کی سربلندی کیلئے وقف تھے آج میں عجیب ہیئت میں گاؤں جا رہا تھا بارش زوروں پر تھی اور سردی سے میرے دانت بج رہے تھے۔ ماضی بجلی کے کڑکے کی طرح میرے سامنے لہرا رہا تھا آج میں اور کل میں کتنا فرق تھا۔ کل کعبۂ دل بتوں کی آماجگاہ تھا۔ آج اس میں ایک ہی تمنا تھی میرا انگ انگ پکار رہا تھا۔ میں نے زندگی کا راز پا لیا تھا آج میرا سر جوانی اور حسن کے غرور سے اکڑا ہوا نہیں تھا۔ عجز و انکسار سے جھکا ہوا تھا اللہ کے احسان کے بوجھ سے دبا ہوا تھا جس نے مجھے ضلالت و گمراہی کی زندگی سے نکال کر نور و ہدایت کے راستے پر ڈال دیا تھا۔ آج میں گھر پہنچا تو میری پذیرائی اس طرح نہ ہوئی جس طرح پہلے ہوا کرتی تھی بلکہ خشمگیں نگاہیں مجھے نفرت سے دیکھ رہی تھیں سب کو معلوم ہو گیا تھا کہ میں نے ملازمت چھوڑ دی ہے اور اب میں نہ جانے کیا بن گیا ہوں میں نے دروازہ کھٹکھٹایا دروازہ کھلا میرے کپڑے پانی میں لت پت تھے اور میری داڑھی میں پانی کے قطرے اس طرح چمک رہے تھے جیسے ریشم کے گچھے میں موتی پروئے ہوں۔

ــــــــ

تحریر: سید قطب شہیدؒ
ترجمانی: طارق سلیم فلاحی

تہذیب جدید — انسانیت کا جنازہ

آج انسانی زندگی چند ظاہری اقدار کے پیچھے دیوانہ ہو چکی ہے۔ سطحیت، ظاہرداری اور محسوس پرستی اس کا خاصہ بن چکی ہے۔ یہ اپنے منزلِ مقصود کو نہیں پہنچ سکتی جب تک کہ اس میں بنیادی تبدیلیاں عمل میں نہ لائی جائیں تاکہ انسان کی بنیادی خصوصیات کے ساتھ خود اس کا اپنا وجود بھی ختم نہ ہو جائے اس کی قلب و روح کی دنیا برباد نہ ہو جائے اس لئے کہ انسانی خصوصیات کے خاتمہ کے بعد انسان چلتی پھرتی لاش بن کر رہ جاتا ہے۔

موجودہ تمام نظامہائے زندگی انسانی خصوصیات کی مٹی پلید کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ وہ ایک طرف انسان کو مشین کے پرزے بنانے میں مصروف ہیں اور دوسری طرف اس کا سلسلہ حیوانات سے جوڑ دینا چاہتے ہیں۔ اور مشینی و حیوانی دونوں ہی زندگی اس کے لئے مضر ثابت ہو رہی ہیں۔ اس زندگی کا انجام نامعلوم ہے۔ اس کے منزلِ مقصود تک پہنچنے کے آثار بھی نظر نہیں آ رہے ہیں چنانچہ وہ قومیں جو مادی ترقی کی بڑی بڑی چوٹیاں سر کر چکی ہیں وہ بھی چیخ چیخ کر کہہ رہی ہیں کہ یہ مادی تہذیب انسانی خصوصیات کی دشمن ہے صنعتی ترقی اور مشینی زندگی کی تمام تر کامیابیوں کے باوجود یہ انسان کی بنیادی ضروریات کا قطعاً خیال نہیں کرتی۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ نظامہائے زندگی انسانی خصوصیات کو پامال کر رہے ہیں اور یہ زندگی کی گاڑی کو منزلِ مقصود تک تو نہیں پہنچا سکتے ہاں اسے ہلاکت و بربادی کے کھڈ میں گرا ضرور دیں گے۔ اس ہولناک انجام سے بچنے کی صرف ایک ہی صورت ہے وہ یہ کہ انسان کی طبعی و فطری صلاحیتوں کو اجاگر کیا جائے۔ خوف و رجا اور خشیت و محبت کے وہ تمام عوامل جو اس کی شخصیت میں پوشیدہ ہیں منصۂ شہود پر آئیں، اسے خطرے سے بچانے کے لئے کوئی دوسرا نظامِ زندگی اختیار کرنے کے لئے مہمیز کریں اور تمام عوامل پر قابو پایا جائے جنھوں نے خود انسان کو ہلاکت کے دہانے پر پہنچا دیا ہے۔ اور جن کی طرف وہ بڑی تیزی سے لپکا جا رہا ہے جب کہ اختیار و تمیز کی صلاحیتیں بھی بہت سے اسباب کے تحت اس سے چھن چکی ہیں

جب کبھی حیاتِ انسانی کو دھکا لگا اور انسانی خصوصیات پر آنچ آئی تو تھوڑی سی محنت اور کد و کاوش سے اس کے ہولناک انجام سے بچنے کی تدبیریں کر لی گئیں اور انسانیت کو تباہی کے کھنڈ میں گرنے سے بچا لیا گیا لیکن اس دور میں انسانیت کو جن چیلنجوں کا سامنا ہے وہ سابقہ چیلنجوں سے مختلف اور شدید ہیں۔ ان کا مقابلہ کرنے کے لئے بہتوں نے مارکسزم کے سرخ شعلوں کی طرف نگاہ اٹھائی اور جدلی مادیت اور تاریخ کی اقتصادی تعبیر کا سہارا لیا لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ساری خصوصیات سرخ شعلوں کی نذر ہو گئیں اس لئے کہ یہاں کوئی تبدیلی نہ ہو سکی تھی نہ تو نظامِ زندگی ہی بدلا تھا اور نہ طریق سفر ہی بلکہ مادیت کی وہ چوٹی تھی جہاں تک خیالات کی دنیا میں سفر کیا جا سکتا تھا

وہ مشینی جنت تھی جسے تصور کی دنیا میں بسایا جا سکتا تھا غیر روحانی موت تھی جو تہذیب کی زوال کا آخری نتیجہ ہے۔

اس طرح گلشن انسانیت کو سرسبز و شاداب بنانے اور اسے پیش آمدہ چیلنجوں اور بحرانوں کے خزاں سے بچانے کی جتنی کوششیں بھی ہوئیں وہ سب ناکام ہو گئیں اور کوئی نیا آئیڈیالوجی، کوئی نیا نظام اور کوئی جدید راہ عمل متعین نہ ہو سکا۔ اس لئے کہ یہ ساری کوششیں سطحی اور یک رخی تھیں۔ یہ سارے نظام مصنوعی و مشینی تھے۔ یہ سارے طریقے فطرت کی پیاس بجھانے کی بجائے اس سے انحراف کی تعلیم دیتے تھے۔

ہم ماضی، حال اور مستقبل پر جب نظر ڈالتے ہیں اور انسانیت کو تباہی سے بچانے اور اسے مہلک بحرانوں سے نکلنے کے لئے کی گئی کوششوں کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ انسانی خصوصیات کی حفاظت اور معنوی اقدار کی صیانت کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اسلامی افکار اپنائے جائیں، اسلام کے مطابق زندگی بسر کی جائے اور ایک اسلامی سوسائٹی قائم کی جائے۔

معلوم ہوا کہ اسلامی سوسائٹی کا قیام انسانی ضرورت اور فطرت کی پکار ہے۔ اگر آج یہاں یہ سوسائٹی قائم نہ ہوئی تو نہ سہی مستقبل میں ضرور کہیں نہ کہیں قائم ہو کر رہے گی۔ اس لئے کہ انسانیت کی نشوونما و ارتقا اور اس کی بنیادی خصوصیات کی حفاظت کے لئے اس کا قیام ضروری ہے

★ ★

لیکن موجودہ انسانی زندگی کس طرح "انسان" کی تباہی اور اس کی بنیادی خصوصیات کے لئے چیلنج کی حیثیت رکھتی ہے؟ تہذیب جدید نے قلب و روح کو کیسے برباد کر دی ہے؟ اسلامی سوسائٹی کا قیام کیونکر انسانی ضرورت ہے؟ ان سوالات کو صاف کرنے کے لئے حقیقت کی کتاب کشائی ضروری ہے۔

اس کے چار بڑے اسباب ہیں:-

(۱) اگرچہ مادہ کے بارے میں ہمارا علم بہت وسیع ہے ہم سائنس و ٹیکنالوجی کے میدان میں بہت آگے بڑھ چکے ہیں۔ ترقی یافتہ اصول و مبادی کی بنیاد پر ہم نے صنعتی تہذیب کو نکھارا اور سنوارا ہے لیکن اس کے باوجود ہم اب تک کوئی ایسا نظام اور طرز معاشرت نہ اپنا سکے جو انسان کی تمام خصوصیات و ضروریات کو سامنے رکھتا ہو، جس میں انسان کی ضروریات کی تکمیل کا سامان موجود ہو جو اس کی فطرت و مزاج کے مطابق ہو اور جو عدل و تعاون کے ساتھ ترقی کا مینار اور نمو و ارتقا کی شاہراہوں پر بھی اس کی خصوصیات کی حفاظت کر سکے اور یہ ہماری بے بسی اور کم مائیگی کی سب سے بڑی دلیل ہے

(۲) اس غلطی اور کم مائیگی کی وجہ سے انسانیت زندگی کی مختلف پگڈنڈیوں پر ٹامک ٹوئیاں مارتی رہی لیکن اسے راہ راست نہ مل سکی۔ کیونکہ اس نے خدا سے اپنا تعلق منقطع کر لیا تھا جو حکیم و علیم ہے، اس کی فطرت اور ساری خصوصیات سے واقف ہے، اس کی ساری ضرورتوں اور تقاضوں کو جانتا ہے جس نے اسے مکمل نظام زندگی عطا کیا تھا جس میں فطرت کی حقیقی ضرورتوں پر بندش نہیں عائد کی گئی تھی بلکہ اس کی جائز پکار پر لبیک کہا گیا تھا، اس کی تعمیر و ترقی کے راستے بتائے گئے تھے اس کی خصوصیات محفوظ رکھی گئی تھیں تاکہ اس نظام کو اپنا کر وہ خلافت کی عظیم ذمہ داری کا بار اٹھا سکے، زندگی تعمیر و ترقی کی راہوں پر گامزن رہے اور نشوونما ارتقا میں تمام صلاحیتیں اور طاقتیں صرف ہوتی رہیں۔

(۳) ہم خالص مادی تہذیب کے علمبردار ہیں جو انسان کے لئے نامناسب ہے، جو اس کی خصوصیتوں کا احترام نہیں کرتی بلکہ اس کے ساتھ مشینی پرزوں جیسا برتاؤ کرتی ہے جس کا ہم نے اپنے علم و تجربے کے ذریعہ احاطہ کر لیا ہے، پھر اسے حیوانوں کی صف میں لا کھڑا کرتی ہے جس کا حیوانیات کی دنیا میں مطالعہ کیا جاتا ہے۔ (بقیہ ص ۲۵ پر)

افغانستان کے حوالے سے

سیتہ رائے لکھنؤ

سیکورف روس کا وہ سائنٹسٹ

جس نے پوری روسی حکومت کو ہلا کر رکھ دیا!

ہمارے ملک کے بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ — اینڈری سیکورف روس کے ممتاز سائنٹسٹ ہیں جنھوں نے سب سے پہلے ہائیڈروجن بم روس کے لئے تیار کر کے دنیا کے سائنسدانوں میں سب سے اہم مقام حاصل کیا تھا۔ انھیں اس کام کے لئے اسٹالن پرائز دیا گیا اور ساتھ ہی ساتھ ہیرو آف سوشلسٹ لیبر کا تمغہ بھی دیا گیا۔ روسی سرکار نے ایک عالیشان مکان اور شاندار گاڑی اور ایک کثیر رقم ماہانہ تنخواہ کے طور پر مقرر کیا۔ سیکورف نے ہائیڈروجن بم تو بنایا پر اس بم کے پھٹنے پر انسانیت کی بربادی کا جو بھیانک منظر ہوگا اس کو دماغ میں سوچتے ہی سیکورف نے انسانیت کو کسی بھی جنگ سے بچانے کے لئے اپنے ہی بنائے ہوئے کرشمے کے خلاف آواز بلند کر دی۔ انھوں نے یہ سب سوچ سمجھ کر کیا کہ روسی سرکار ان کے اس رویے کو کسی بھی قیمت پر منظور نہیں کرے گی بلکہ بہت جلد یہ سارے تمغے جو روسی سرکار نے انہیں دیئے ہیں ان سے چھین لیا جائے گا اور جیلخانے میں ان کو بند بھی کر دیا جائے گا۔

ہوا بھی یہی جو انہوں نے سوچا تھا۔ افغانستان پر روسی حملے کے خلاف آواز اٹھاتے ہی ۲۲ جنوری [illegible] کو سیکورف اور ان کی بیوی کو روسی سپاہیوں نے سرکاری بنگلے سے دھکے دے کر باہر نکال دیا۔ اسکو کے جس اپارٹمنٹ میں رہتے تھے ان کو سب چیزوں سے محروم کر کے گورکی بستی میں بند کر دیا گیا (گورکی مرحوم میکسم گورکی کے نام پر بسایا گیا تھا)۔ ان کا ٹیلیفون کاٹ دیا گیا۔ کے جی بی کے خفیہ دستے ان کی نگرانی کے لئے لگا دیئے گئے۔ ان سے ان کی بیوی کے علاوہ کوئی مل نہیں سکتا اور نہ ہی وہ کسی سے خط و کتابت کر سکتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ ان کو اتنی بڑی سزا کیوں دی گئی؟

جواب یہ ہے کہ انہوں نے اس قسم کے بم جو انہوں نے خود تیار کئے تھے بنانے سے انکار کر دیا ہے اور مغربی سائنسدانوں سے بھی التجا کی کہ اس قسم کی نہ بلی نہ ایجاد کریں جس سے انسانیت کا نام و نشان نہ رہے۔ ان کا یہ خیال ہے کہ اگر اس پر ماسکو اور امریکہ کے حکمرانوں نے فوراً توجہ نہیں دیا تو وہ دن دور نہیں جب روس کے لوگوں کا گلشنوں میں نام و نشان نہ رہے گا۔ یہی حال مغربی انسانوں کا ہوگا۔ سیکورف کی آواز میں جادو ہے۔ آج سارے مغربی سائنسداں اپنے سائنسی کرشمے کا انجام سوچ کر دہل اٹھتے ہیں اور آج ہر امن پسند انسان یہی چاہتا ہے کہ جتنی جلدی ہائیڈروجن بم جیسے مہلک بموں کا بننا بند ہو جائے۔ اتنا ہی انسانیت کے حق میں بہتر ہوگا۔ (الفیصل، پ)

بسم اللہ

ابن عبارت فلاحی

اسلام — ایک معتدل نظام

جارج برنارڈ شا اپنے زمانے کے غیر مسلم مصنفین کی صف میں سب سے اول جگہ پانے کا مستحق ہے۔ جس کے قلم نے کوئی ایسا میدان نہ چھوڑا جہاں اس نے جولانی نہ دکھائی ہو۔ اور جس کے حملوں سے شاید ہی کوئی مذہب بچا ہو۔ جس کے زورِ قلم کا یہ عالم ہے کہ جو کچھ لکھا دنیا میں چھپ گیا۔ اس نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں تمام مذاہب کے علماء کی ایک محفل منعقد کی ہے اور ایک دوسرے کے مذہب کا خوب مذاق اڑایا ہے۔ لیکن بالآخر بہت سے بحث مباحثوں کے بعد برنارڈ شا نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ یہ کہ "سو برس کے اندر اندر دنیا اور بالخصوص انگلستان کو کوئی ایسا مذہب اختیار کرنا پڑے گا جو یا تو اسلام ہوگا یا اسلام سے کچھ ملتا جلتا ہوگا۔"

اسلام کا نظریۂ اعتدال و توازن ہی ہے جو بڑے بڑے مخالفین کو اعترافِ صداقت پر مجبور کر دیتا ہے۔ جب ہم اسلام کا دوسرے نظریہ ہائے حیات سے تقابل کرتے ہیں تو ہم کو نظر آتا ہے کہ دوسرے مذاہب جو الہامی ہیں افراط و تفریط میں مبتلا رہیں اور جو وضعی ہیں ان میں انسان کی تمام ہی خصوصیات کو مدنظر نہیں رکھا گیا ہے۔ اور خود قانون سازی کی ذاتی کیفیت اس کے قانون اور طرزِ فکر پر غالب آگئی ہے۔ اس کی دلچسپ مثال یہ ہے کہ مارکس کی کتاب سرمایہ کی پہلی جلد شائع ہو کر جب انجلز کے ہاتھ میں گئی تو اس نے اس کے پہلے دو ابواب پر جن میں جنس اور زر کا تجزیہ ہے اور جو تمام کتاب میں سب سے زیادہ صبر آزما اور دقیق سمجھے جاتے ہیں، تنقید کرتے ہوئے مارکس کو لکھا:

"کیا ہی اچھا ہوتا اگر یہ ابواب لمبے ہونے کے بجائے چھوٹے چھوٹے کئی حصوں پر منقسم ہوتے اور ان کو زیادہ عام فہم بنا دیا جاتا۔ مجھے یاد ہے کہ جس زمانے میں یہ ابواب لکھے جا رہے تھے تمہیں سرطان کے پھوڑوں نے پریشان کر رکھا تھا۔ تمہارے پھوڑوں کا ذہنی عذاب ان ابواب میں مقید ہو گیا ہے۔ اور وہی کرب و بلا ان ابواب میں بھی بس گئی ہے۔"

مارکس نے اس کی تصدیق کرتے ہوئے جواب دیا:

"مجھے اس کا افسوس نہیں، بلکہ میں خوش ہوں کہ سرطان کے پھوڑوں کا عذاب ان میں محفوظ ہے۔ کیوں کہ میری یہ کتاب سرمایہ داروں کے ہاتھ میں جب جائے گی تو اس عذاب کا مزہ وہ بھی چکھ سکیں گے۔"

لیکن اس کے مقابلہ میں اسلام میں غایت درجہ کا اعتدال و توازن نظر آتا ہے۔ انسان کی جسمانی ساخت اعضاء کی حیوانی جبلت، اس کی انسانی سرشت اور نفسی خصوصیات اور اس کے فطری داعیات کے متعلق اس میں نہایت مکمل اور تفصیلی علم سے کام لیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک ایک چیز کی تخلیق

سے فطرت کا جو مقصد ہے اس کو بہ تمام و کمال اس طرح پورا
کیا گیا ہے کہ کسی دوسرے مقصد حتیٰ کہ چھوٹے سے چھوٹے مقصد
کو بھی نقصان نہیں پہنچتا اور بالآخر یہ سب مقاصد مل کر اس بڑے مقصد
کی تکمیل میں مددگار ہوتے ہیں جو خود انسان کی زندگی کا مقصد ہے
اب ہم چند مسائل کو سامنے رکھ کر اسلام اور دوسرے نظریات و ادیان
کا تقابلی مطالعہ کرنا چاہتے ہیں تاکہ اسلام کا اعتدال و توازن پوری
طرح نگاہوں کے سامنے آجائے

عورت کا مسئلہ

عورت کے سلسلے میں جب ہم تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم کو افراط و تفریط
کی کھینچ تان کا ایک عجیب سلسلہ نظر آتا ہے۔ ترتولیان
جو ابتدائی دور کے آئمہ مسیحیت میں سے تھا عورت کے متعلق مسیحی
تصور کی ترجمانی ان الفاظ میں کرتا ہے۔ وہ شیطان کے آنے کا دروازہ
ہے۔ وہ شجر ممنوعہ کی طرف لیجانے والی، خدا کے قانون کو توڑنے والی
مرد کو غارت کرنے والی ہے۔ کرائی سوسٹم جو مسیحیت
کے اولیائے کبار میں شمار کیا جاتا ہے عورت کے حق میں کہتا ہے
ایک ناگزیر برائی، ایک پیدائشی وسوسہ، ایک مرغوب آفت، ایک
خانگی خطرہ، ایک غارتگر دلربائی، ایک آراستہ مصیبت۔ بعض مذاہب
نے اسے گناہ کی ماں اور شیطان کی ایجنٹ کہا۔ یہودیت نے اس
کو ہمیشہ کے لئے مردوں کا محکوم اور تابعدار بنادیا۔ یہ اس کے اس
جرم کی سزا ہے کہ اس نے آدم کو بہکایا تھا مرد کی موجودگی میں اسے
وراثت سے محروم کردیا۔ ایک انتہا تو یہ تھی کہ عورت جو ماں کی حیثیت
سے آدمی کو جنم دیتی اور بیوی کی حیثیت سے زندگی کے ہر نشیب و فراز میں
مرد کی رفیق رہتی ہے۔ خادمہ بلکہ لونڈی کے مرتبہ میں رکھ دی گئی تھی
اس کو بیچا اور خریدا گیا تھا اس کو گناہ اور نفرت کا مجسمہ سمجھا گیا تھا
دوسری طرف انتہا کا یہ عالم ہے کہ آزادئ نسواں کی تحریک اٹھائی
گئی جو ہوس باز مردوں کا دام فریب تھا مساوات کا علم بلند کیا
گیا جس کا نتیجہ عورت کا خانگی ذمہ داریوں سے فرار۔ کلب و انجمن
مخلوط رقص و سرود اور تفریحی مشاغل میں انہماک، اپنی عریانیت
کا مظاہرہ۔ کارخانوں کی ملازمت اور زندگی کے میدان میں مردوں
سے مسابقت کے لئے جد و جہد، برتھ کنٹرول، اسقاط حمل اور قتل
اولاد کے ذریعہ سے نسلوں کی افزائش کی روک تھام کی شکلوں میں
رونما ہوا۔ اسلام چونکہ نظام عدل و قسط ہے اس لئے اس نے
ان دونوں انتہاؤں کے درمیان کا راستہ اختیار کیا ہے۔ ایک
طرف حضورؐ نے فرمایا "مجھے دنیا کی دو چیزیں مرغوب ہیں عورت اور
خوشبو۔ اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے" عورت کو ماں
کی عظمت عطا کی گئی اور فرمایا گیا
اس کے قدموں سے چمٹے رہو کہ جنت ان کے قدموں کے نیچے ہے
بعض حالات میں ماں کی خدمت کو جہاد پر بھی ترجیح دی گئی والدین
کے ساتھ خوش اخلاقی و خوش گفتاری کا اتنا بڑا حکم ہوا کہ اف کہنا بھی
خلاف ادب ہو گیا اور دوسری
طرف اسلام نے کچھ داخلی و خارجی پابندیاں بھی عائد کردیں جو اس کے حق
میں نہایت مفید ثابت ہوئیں۔ اس نے اس کو ہر قسم کی آزادی بخشی لیکن
حجاب اور عفت و عصمت کی شرط کے ساتھ۔ نکاح و خلع کے اختیارات
بھی بخشے لیکن نسوانی وقار کا اعتبار بھی کیا گیا اس کی شخصیت و انفرادیت
کو ترقی کرنے کا موقع فراہم کیا لیکن اس ترقی کو پابہ گل کے ساتھ مشروط
کردیا۔ تہذیب و تمدن کی تعمیر اور صالح معاشرہ کی تشکیل میں اس کی
شرکت کو ضروری خیال کیا گیا لیکن خانگی ذمہ داریوں کو ادا کرتے
ہوئے۔ اسلام نے اسے شمع محفل بنانے کی بجائے گھر کی ملکہ کا تاج
پہنایا تاکہ وہ بوالہوسی اور بدنگاہی کے شعلہ شرربار سے محفوظ رہ سکے
اس حریم جمال کے گرد اتنی مضبوط فصیلیں کھڑی کردیں کہ اس کا پھاندنا
بدمعاشوں اور تخریب پسندوں کیلئے ناممکن ہوگیا۔ اسلام نکاح کو محض
جنسی خواہشات کی تسکین اور سفلی جذبات کا مطالبہ نہیں سمجھتا۔ بلکہ وہ
تو اسے مودت و رحمت اور عفت و عصمت کے بقاء و دوام کا ایک
وسیلہ قرار دیتا ہے وہ کہتا ہے کہ معاشرہ کو بنانے، نئی نسلوں کو
صحیح راہ پر اٹھانے اور زندگی کی گاڑی کو صحیح سمت چلانے کے لئے
ازدواجی زندگی ضروری ہے۔ دو زندگیوں کو ایک دوسرے سے منسلک
کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مرد کارگہ حیات سے تھکا ماندہ شیطانی

و سیاست پڑھ کر، باطل پرستوں کے لگائے گئے زخموں سے چور جب شام کو گھر واپس آئے تو اسکی رفیقۂ حیات بڑھ کر خوشی و مسرت کے سوغات اس کے قدموں پر پیش کر دے۔ اور اپنی ایک پیاری مسکراہٹ سے اس کی ساری تکان دور کر دے غم کو مسرت میں اور اضطراب کو قرار میں تبدیل کر دے۔ علامہ اقبال نے عورت کے سلسلے میں اسلامی تصور کو کتنے بہترین انداز میں بیان کیا ہے؎

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشتِ خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اسی درج کا دُرِ مکنوں
مکالماتِ فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرارِ افلاطوں

انفرادیت اور اجتماعیت کا مسئلہ

دورِ جدید کا سب سے بڑا مسئلہ اقتصادی مسئلہ ہے اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے دنیا کے علماء و مفکرین کانفرنس منعقد کر رہے ہیں قومی سطح پر بھی اور بین الاقوامی سطح پر بھی مگر معاشی گتھیاں بجائے سلجھنے کے اور زیادہ الجھتی جا رہی ہیں اس مسئلہ میں بھی قوانین دو انتہاؤں تک پہونچے ہوئے ہیں -- ایک طرف انتہا کا یہ عالم ہے کہ بے قید معیشت کو ہوا دی گئی اور کہا گیا کہ چرچ ہو یا اسٹیٹ یا سوسائٹی کسی کو بھی فرد کی سعی و ارتقاء اور سعی و انتفاع میں رکاوٹیں عائد کرنے کا حق نہیں ہے ہر شخص کو بالکل آزادی کے ساتھ یہ موقعہ حاصل ہونا چاہیئے کہ اپنی قوتوں اور قابلیتوں کو اپنے رجحانات کے مطابق استعمال کرے اور جتنا آگے بڑھ سکتا ہے بڑھتا چلا جائے ہر خارجی رکاوٹ سے باہر کسی قید سے ہر مذہبی و اخلاقی بندش سے ہر قانونی یا اجتماعی مداخلت سے انسان پوری طرح آزاد ہو لیکن اس انتہا پسندی اور آزادی کا کیا نتیجہ نکلا۔ آدم اسمتھ جیسے آزاد معیشت کے علمبردار کی زبانی سنیئے "کم ہی ایسا ہوتا ہے جب کاروباری لوگ کہیں جمع ہوں اور ان کی صحبت کسی پبلک کے خلاف کسی سازش پر اور قیمتیں چڑھانے کے لئے کسی قرارداد پر ختم نہ ہو حد یہ ہے کہ تفریحات تک میں مل بیٹھنے کا جو موقعہ مل جاتا ہے اس کو بھی یہ حضرات اس مجرا سے خالی نہیں جانے دیتے۔ اس بے قید معیشت کے شدید ردِّ عمل کے طور پر سوشلزم اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ ظاہر ہوا لیکن یہ بھی مخالف سمت میں دوسری انتہا کو پہونچ گیا اس نے فرد کے ارتقاء کو نظر انداز کر کے اجتماع اور سوسائٹی کے مفاد اور ارتقاء کو پیش نظر رکھا شخصی ملکیت کے حقوق نظر انداز کر دیئے گئے تمام ذرائع پیداوار افراد کے قبضے سے نکال کر قومی تحویل میں لے لئے گئے اسٹیٹ کے سارے شہری مزدور قرار پائے۔ اور اس طرح فرد سوسائٹی میں گم ہو کر رہ گیا۔ لیکن اس کے پاداش میں جو مالی و اقتصادی اور تہذیبی و روحانی نقصان دنیا کو برداشت کرنا پڑا آج ہماری آنکھوں کے سامنے ہے ان نظریات کے بالمقابل اسلام نے انفرادیت اور اجتماعیت کے درمیان ایک حسین توازن قائم کیا ہے اسلام انفرادی زندگی کے دائرے میں ہر فرد کو اتنا کچھ سروسامان فراہم کرتا ہے کہ جس کی مدد سے وہ صاف ستھری اور پاکیزہ زندگی گزار سکے اجتماعی دائرے میں اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ایک معاشرہ تشکیل پذیر ہو جو اپنی ساری توانائیاں انسانیت کی مجموعی ترقی میں صرف کرے اور رفاہ تہذیب و تمدن کو رواں دواں رکھے اسلام ایک ایسی سوسائٹی قائم کرنا چاہتا ہے جس میں باہمی اخوت و محبت تعاون و تعامل اور ہمدردی و غمگساری کا جذبہ پیدا ہو۔ لوگ ایک دوسرے کا استحصال کرنے کی بجائے تعاون کریں اور معاشرے کے پسماندہ حضرات کو اونچا اٹھانے میں دلچسپی سے کام لیں "اگر تو کامل ہونا چاہتا ہے تو جا اپنا مال اسباب بیچ کر غریبوں کو دے دے اور میرے پیچھے ہو لے تجھے آسمان پر خزانہ ملے گا" (متی ۱۹، ۲۱) میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دولت مند کا آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل ہے اور پھر تم سے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے سے نکل جانا آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ دولتمند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو" (متی ۱۹، ۲۳، ۲۴) اپنے لئے زمین میں مال جمع نہ کرو جہاں کیڑا اور زنگ خراب کرتا ہے

"....بلکہ آسمان پر جمع کرو" (متی ۶: ۱۹، ۲۰) میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی
جان کی فکر نہ کرو کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پئیں گے نہ اپنے بدن کی کہ
کیا پہنیں گے کیا جان خوراک سے اور بدن پوشاک سے بہتر
نہیں، ہوا کے پرندوں کو دیکھو کہ نہ بوتے ہیں نہ کاٹتے ہیں نہ
کوٹھیوں میں جمع کرتے ہیں پھر بھی تمہارا آسمانی باپ انکو کھلاتا
ہے کیا تم ان سے زیادہ قدر نہیں رکھتے تم میں ایسا کون ہے
جو فکر کرکے اپنی عمر میں ایک گھڑی بھی بڑھا سکے اور تم لباس کے
لئے کیوں فکر کرتے ہو جنگلی سوسن کے درختوں کو دیکھو کہ وہ کیسے
بڑھتے ہیں نہ محنت کرتے ہیں نہ کاتتے ہیں پھر بھی میں تم سے کہتا
ہوں کہ سلیمان بھی اپنی ساری شان و شوکت کے باوجود ان
میں سے کسی کی مانند پوشاک پہنے ہوئے نہ تھا پس جب خدا میدان
کی گھاس کو جو آج ہے اور کل تنور میں جھونکی جائے گی ایسی
پوشاک پہناتا ہے تو اے کم اعتقادو تم کو ضرور پہناوے گا اس لئے
فکر مند ہو کر یہ نہ کہو کہ ہم کیا کھائیں گے کیا پئیں گے (متی ۶: ۲۵-۳۱)

روح اور مادہ کا مسئلہ

روح اور مادہ کے سلسلے میں بھی تمام مذاہب و مسالک افراط
و تفریط میں مبتلا ہیں اس کی ایک انتہا تو یہ ہے کہ جس میں عیسائیت
مبتلا ہوئی قدیم مشرک سوسائٹی میں دنیا پرستی، جاہ طلبی اور مال و زر
کی حرص اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ اس کا توڑ کرنے کے لئے عیسائی علما
نے اعتدال سے آگے بڑھ کر انتہا کا راستہ اختیار کر لیا دنیا پرستی
کے خلاف اتنی شدت برتی کہ ایک دیندار آدمی کیلئے سرے
سے کوئی جائز اور رکھنا گناہ بن گیا، صاف لفظوں میں کہا گیا
کہ تم لوگ کھانے پینے اور لباس کا کوئی اہتمام نہ کرو اور جو شخص
حصول جنت کا خواہاں ہے اس کے لئے جو کی روٹی کھانا اور
گھوڑے پر کتوں کے ساتھ سو جانا بھی بہت ہے۔" اخلاق
و کردار کی بلندی کا مطلب یہ سمجھ لیا گیا کہ آدمی بالکل مفلس اور
تہی دست ہو عیسائیت کی ان سخت گیر تعلیمات کا نتیجہ رد عمل
کے طور پر حد سے بڑھی ہوئی دنیا پرستی کی شکل میں نمودار ہوا
تھا کہ پانچویں صدی ہی کے آغاز میں یہ حالت ہو چکی تھی کہ روم
کا بشپ بادشاہوں کی طرح اپنے محل میں رہتا تھا اور اس کی
سواری جب نکلتی تھی تو اس کے ٹھاٹھ باٹھ قیصر روم کی سواری
سے کم نہ ہوتے تھے سینٹ جیروم اپنے زمانے (چوتھی صدی کے
آخری دور) میں شکایت کرتا ہے کہ بہت سے بشپوں کی دعوتیں
اپنی شان میں گورنروں کی دعوتوں کو شرماتی ہیں خانقاہوں
اور کنیسوں کی طرف دولت کا بہاؤ ساتویں صدی تک پہنچتے
پہنچتے سیلاب کی شکل اختیار کر چکا تھا یہ بات عوام کے ذہن
نشین کرادی گئی تھی کہ جس کسی سے کوئی گناہ عظیم سرزد ہو جائے اس
کی بخشش کسی نہ کسی ولی کی درگاہ پر نذرانہ چڑھانے یا کسی خانقاہ
یا چرچ کو بھینٹ دینے ہی سے ہو سکتی ہے اس کے بعد وہی دنیا
کے قدموں میں آرہی جس سے فرار ان کا طرۂ امتیاز تھا خاص
طور پر جو چیز اس تنزل کی موجب ہوئی وہ یہ تھی کہ راہبوں کی غیر
معمولی ریاضتیں اور ان کی نفس کشی کے کمالات دیکھ کر جب
عوام میں ان کے لئے بے پناہ عقیدت پیدا ہو گئی تو بہت
سے دنیا پرست لوگ لباس درویشی پہن کر راہبوں کے گروہ میں
داخل ہو گئے اور انھوں نے ترک دنیا کے بھیس میں طالب
دنیا کا کاروبار ایسا چمکایا کہ بڑے بڑے طالبین دنیا ان سے
مات کھا گئے

(تفہیم القرآن جلد پنجم سورۂ حدید حاشیہ)

مادہ کی دوسری انتہا وہ ہے جس کا تہذیب جدید شکار ہے یعنی
روحانیت کے خلاف جب شدید رد عمل پیدا ہوا تو روح اور
ماورائی طاقتوں کا یکسر انکار کرکے مادہ ہی کو سب کچھ سمجھ لیا گیا
تہذیب جدید کے علمبرداروں نے ایسے قوانین کی تلاش شروع
کی جن میں روح کو کوئی دخل نہ ہو مادیت کے ایک علمبردار
پروفیسر ٹنڈل کے مطابق: مادہ میں ہر قسم کے وجود
کے امکانات اور قوتیں موجود ہیں انھوں نے کہا کہ مادہ کے مختلف
عناصر کے اتفاقی طور پر ملنے سے ہر چیز کی تشکیل ہوئی ہے یہ سارا

ہنگامہ وجود ایک مجموعۂ ذرات سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا
نظامِ کائنات میں اعلیٰ درجہ کی اجتماعی وحدت

غضب کی ہم آہنگی کمال درجہ
کی سلیقہ مندی اور حسنِ ترتیب اور عالمگیر
قوانین کی حکمرانی محض مادہ کے

اتفاقی تعاون و تعامل سے ظہور پذیر ہوگئی، پھر اس نظریہ کی بنیاد پر ایک پورا فلسفہ اور نظامِ حیات مرتب کیا گیا روح دب گئی شکم بڑھ گیا، افکار و کردار روٹی کے گرد گھومنے لگے انسانیت حیوانیت میں تبدیل ہوگئی۔ دو وقت کی روٹی کے عوض ہر ایک کو بے ضمیر اور آلۂ کار بنا لیا گیا انسان کا خدا سے تعلق بالکل ہی ٹوٹ گیا یہی وجہ ہے کہ آج دنیا مادیت سے گھبرا کر ایک ایسے نظام کی طرف لپک رہی ہے جو فطرت سے ہم آہنگ ہو اور انسانی مسائل کا متوازن حل پیش کرتا ہو برٹرینڈ نے کہا تھا کہ دنیا کو ایک نئے مذہب کی ضرورت ہے یعنی ایک ایسا عقیدہ چاہیے جو تمام انسانی مفادات کا تعین کرے اور ضروری مناسب کے ساتھ اس سے جواز کی بنیاد ہو اور اس کے ساتھ وہ شعور عطا کرے جس سے انسان اس پر اعتماد کے ساتھ قائم ہو سکے، تقریباً دو سال پہلے اسلامک پارٹی جنوبی امریکہ کے صدر یوسف مظفرالدین خان نے ہفت روزہ زندگی لاہور کو ایک دلچسپ انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ میرا تعلق امریکہ میں آباد ایک افریقی خاندان سے ہے صدیوں پہلے جس نے مسیحیت قبول کرلی تھی میرے والد اور والدہ دونوں مشنری سکے مذہب سے گہری وابستگی رکھنے والے میں تو خود بھی خدا کے وجود اور انسانیت کی فلاح پر اعتقاد رکھتا تھا اس لحاظ سے میں شروع ہی سے ایک مذہبی آدمی تھا لیکن سیاسی ذوق بھی رکھتا تھا جوانی کے آغاز ہی سے میں نے افریقیوں کی تحریکِ آزادی میں حصہ لینا شروع کیا۔ یہیں سے اس کشمکش کا آغاز ہوا جو بالآخر مجھے اسلام کے دامن میں لے گئی مسیحی مذہب مجھے سیاست میں حصہ لینے سے روکتا تھا کہ وہ صرف عبادت اور خدا سے تعلق کا نام ہے میرے سامنے دو راستے تھے سچا عیسائی بن کر ہمیشہ کے لئے سیاست کو خیرباد کہہ دیتا یا قوم پرست بن کر ہمیشہ سے ناطہ توڑ لیتا۔ آج تک لاکھوں کروڑوں انسان ان دو میں سے ایک کا انتخاب کر چکے ہیں یا اس تضاد کو کسی نہ کسی طرح نبھاتے چلے آرہے ہیں لیکن میرے لئے ایسا کرنا ممکن نہ تھا میں تضادات کو ساتھ لیکر نہیں چل سکتا میں نے دوسرے مذاہب اور کمیونزم کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا، کمیونزم کے سلسلے میں تو مجھے وہی پہلی دقت درپیش ہوئی کہ وہ میرے روحانی تقاضوں کا کوئی جواب نہ دیتا تھا اسلام کے مطالعہ کا موقع ملا تو راستے روشن ہونے لگے الجھی ہوئی ایک ایک گرہ سلجھنے لگی میں نے مسلمانوں کے ساتھ رابطے اور اپنے مطالعہ سے معلوم کیا کہ اسلام مذہب نہیں بلکہ دین ہے مکمل نظامِ زندگی، تب مجھے احساس ہوا کہ اب تک ساری زندگی میں نے تاریکی میں گزار دی حقیقی راستہ وہی ہے جو اب مجھے نظر آیا ہے مجھے منزل کا سراغ مل گیا ذہن میں پیدا ہونے والے سب سوالات اور سب الجھنیں سلجھ گئیں سارے اندیشے اور وسوسے ختم ہوگئے دینِ اسلام میری سیاسی اور انقلابی سرگرمیوں میں رکاوٹ نہیں ڈالتا اور رہبری کرتا تھا یہ سنہ ۱۹۴۹ء کی بات ہے میری عمر صرف سترہ برس تھی جب میں نے شرحِ صدر کے ساتھ اسلام قبول کرلیا، اسلام واحد ایسا نظامِ تمدن ہے جس میں کمال درجہ کا اعتدال و توازن پایا جاتا ہے جس فطرتِ انسانی کے ایک ایک پہلو حتیٰ کہ نہایت دقیق پہلو کی بھی رعایت کی گئی ہے اسلام ہمیں ایک ایسا نظامِ حیات عطا کرتا ہے جو مادہ اور روح دونوں پر محیط ہے اور دونوں کے تقاضے بیک وقت پورے کرتا ہے مادیت پرستی کی لعنت نے انسانی روح اور قلب دونوں کا سکون و اطمینان لوٹ لیا ہے اور اس کو دنیا کی ایک مستقل کشاکش کا اکھاڑہ بنا دیا ہے دورِ جدید کے ان امراض کا علاج صرف اسلام کے پاس ہے کیونکہ وہ نہ مادہ کو روح پر قربان کرتا ہے نہ روح کی اہمیت میں اتنا غلو کرتا ہے کہ مادی پہلو نظر انداز ہو یا بالکل اوجھل ہو جائے وہ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان نقطۂ اعتدال کو واضح کرتا اور ان کے تقاضوں میں ہم آہنگی پیدا کرتا ہے۔

غزل

حال کے داغ کچھ اس طرح سے یارو دھو لو
اپنی تنہائی میں ماضی سے لپٹ کر رو لو

جانے کس وقت پکار اٹھے تمہاری منزل
تم مسافر ہو ابھی سوچ کے بستر کھولو

میں نمائندۂ اربابِ وفا ہوں لوگو
سونے چاندی کے ترازو میں نہ مجھ کو تولو

میں نہ کہتا تھا کہ وحشی ہیں یہاں کے سب لوگ
گھر کا دروازہ ذرا سوچ سمجھ کر کھولو

پہلے احساس یہاں چھین لیا جاتا ہے
پھر کہا جاتا ہے اب جتنا بھی چاہو بولو

بند ہیں آج صنم خانے سبھی اے ساغر
تم کو فرصت ہے چلو آج تو مسجد ہو لو

ماہر القادری

نوائے جبریل

دل کی دھڑکن سے پیالوں کی کھنک دب جائیگی
عیش کا افسانہ دنیا اب نہیں دہرائے گی

چنگ و بربط اب نہ بجنے پائیں گے فردوس گوش
قلقلِ مینا بھی سرمہ در گلو ہو جائے گی

تیغ کی جھنکار پر جھومے گی روحِ بادہ خوار
چشمِ ساقی اب کسی کو بھی نہیں بہکائے گی

لالۂ خونیں کفن دے گا پیامِ زندگی
جب کبھی گلشن پہ ساون کی گھٹا لہرائے گی

خاک کے ذرے بھی ڈالیں گے ستاروں پر کمند
پھول کی پتی شفق کو آئینہ دکھلائے گی

کھل گیا اہلِ چمن پر نرمیِ گل کا فریب
بلبلِ خوش رنگ اب کانٹوں سے جی بہلائیگی

کوئی بھی اس کو نہیں دے گا سہارا دیکھنا
موجِ بوئے گل اگر چلتے میں ٹھوکر کھائے گی

صرف اک اللہ پر ہوگا ہر اک کا اعتماد
فطرتِ انساں نہ خوفِ غیر سے گھبرائے گی

غزل

صابر فخرالدین

مصائب مشکلیں آلام سب ہیں
مگر ہم ان سے بے آرام کب ہیں

دعائے نیم شب شامل نہ ہو تو
دعائیں آپ کی ناکام سب ہیں

ہمیں پہچاننا مشکل نہیں ہے
ہم اوروں کی طرح بے نام کب ہیں

نزولِ شعر کی تہمت ہے ان پر
وہ صاحب صاحبِ الہام کب ہیں

ایک ایسی شمع جلاؤ جو سب کے کام آئے

انجمن طلبہ قدیم کی مجلس شوریٰ منعقدہ ۲۵/۲۶ اکتوبر ۸۱ء کی باتیں

پندرہویں صدی ہجری کی آمد آمد ہے۔ اسلامی نظام حیات کے نفاذ کی باتیں ہو رہی ہیں۔ ادھر اسلام دشمن عناصر سرخ و سفید سامراج نے انقلاب کو سبوتاژ کرنے، عالم اسلام کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے اور اسلامی ممالک کی بیداری کو دبانے کے لئے ناپاک جوڑ توڑ میں مصروف ہیں۔ شام میں سرخ آنچل کے شیدائی اسلامی عناصر پر جو ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ رہے ہیں، ماؤں بہنوں اور وطن کے بیٹوں کو خاک و خون میں تڑپایا جا رہا ہے۔

ایران عراق تنازعہ خود ہمارے ملک میں مسلم کش فسادات یہ سب ایک ہی سازش کی کڑیاں ہیں کہ اسلامی لہر کو کچل دیا جائے۔ ان ہنگامی حالات میں اس بات کی سخت ضرورت تھی، حالات کا شدید تقاضہ تھا کہ ماہنامہ "حیات نو" حق و صداقت کی ضیا پاشیوں سے باطل پر حق کی یلغار کر کے تاریکیوں کا پردہ چاک کر دیتا، اسلام پسندوں کی بھرپور حمایت کرتا، لیکن افسوس ہے کہ مالی پریشانیوں اور انتظامی بدحالیوں کی وجہ سے اور ایڈیٹر کے دوسری جگہ منتقل ہو جانے کی وجہ سے حیات نو پابندی سے نہ نکل سکا، جس کی وجہ سے ہمارا یہ عزم عملی جامہ نہ پہن سکا۔

بہر حال اس مقدس فریضہ کو انجام دینے کے لئے انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کی مجلس شوریٰ بلائی گئی، اور ۲۵ر اکتوبر کو جامعۃ الفلاح میں مندرجہ ذیل ارکان شوریٰ نے حاضری دے دی۔

(۱) ابو المکارم فلاحی (دربھنگہ)
(۲) انصار احمد فلاحی (بلریا گنج)
(۳) ڈاکٹر ابرار احمد فلاحی (اعظم گڈھ)
(۴) محمد عمران فلاحی (بلریا گنج)
(۵) عبید اللہ فہد فلاحی (علیگڈھ)
(۶) اشتیاق دانش فلاحی "
(۷) نور محمد فلاحی (جامعۃ الفلاح)

صدر انجمن کے تذکیری کلمات سے اجلاس کی کارروائی شروع ہوئی آپ نے سورہ والعصر کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ دنیوی و اخروی کامیابی کا دارو مدار ایمان و عمل صالح اور ثابت قدمی پر ہے۔ اس تیرہ و تار ماحول میں ہمیں محبت و اخوت کا پیغامبر بننا ہے۔ عدل و انصاف کی روشنی قائم کرنا ہے، فرقہ وارانہ ہم آہنگی، اتحاد

اور یگانگت کی دلوں میں جوت جگائی ہے۔ جامعۃ الفلاح کے قیام کی غرض و غایت یہی ہے اور اسی مقصد کو لے کر ہم بھی اکٹھا ہوئے ہیں۔

ان تذکیری کلمات کے بعد حیات نو کے مسائل زیر بحث آئے اور اسے پابندی سے نکالنے کے لئے یہ طے پایا کہ ایک ہمہ وقتی فلاحی ایڈیٹر کا انتخاب کیا جائے جو حیات نو کو پابندی سے نکالنے، اس کے لئے مالیات فنڈ فراہم کرنے اور تمام قارئین کو مطمئن کرنے کا ذمہ لے۔ اس کے تعاون کے لئے ایک مجلس ادارت کا انتخاب بھی عمل میں آیا جو پابندی سے مضامین ارسال کرنے کی مجاز ہوگی۔ ادارتی بورڈ میں مندرجہ ذیل افراد ہوں گے:۔

۱۔ مظہر سید عالم فلاحی	(سعودی عرب)
۲۔ شفیق عالم فلاحی	(رانچی)
۳۔ طارق احسن فلاحی	(گیا)
۴۔ اشتیاق دانش فلاحی	(علیگڑھ)
۵۔ عبید اللہ فہد فلاحیؔ	

یہ طے پایا کہ ایک حلقہ معاونین قائم کیا جائے اور اس کی فیس ۲۰۰/- ہو۔ جو لوگ اس کے ممبر بنیں ان کا نام و پتہ حیاتِ نو میں شائع کیا جائے۔

برادر انصار احمد فلاحی نے اپنی بڑھتی ہوئی مصروفیتوں کے پیش نظر سکریٹری شپ سے استعفیٰ دے دیا تھا جسے منظور کیا گیا، اور برادر نور محمد فلاحی کو از سر نو سکریٹری بنایا گیا، اور خازن کی ذمہ داری برادر اظہار احمد فلاحی پر ڈالی گئیں جسے ان احباب نے بڑی رد و کد کے بعد منظور کر لیا اور خدا سے مدد کی دعا اور احباب سے تعاون کی درخواست کی۔

سکریٹری کے تعاون کے لئے برادر طارق سلیم فلاحی کا نام آیا، جو مراسلت میں ان کی بھرپور مدد کریں گے۔ یہ طے پایا کہ جامعہ کے نظام تعلیم و تربیت کو مزید موثر اور کارگر بنانے کے لئے ناظم جامعہ کی خدمت میں کچھ تجویزیں رکھی جائیں گی اور ان سے تبادلۂ خیالات کیا جائے گا۔ یہ بھی طے ہوا ہے کہ حیدرآباد کے سالانہ اجتماع جماعت اسلامی ہند کے موقع پر ایک خصوصی نمبر نکالا جائے گا، جس میں تحریک کی مندرجہ ذیل انقلابی شخصیتوں کے حالات زندگی، داستان جہد و عمل اور ایثار و قربانی کے عبرت و سبق آموز واقعات لائے جائیں گے تاکہ نوجوان نسل جو اسلام کے قریب آنا چاہتی ہے، ان سے کما حقہ استفادہ کر سکے اور ان کے ایثار و قربانی کے واقعات سے مثالی نمونہ اخذ کر سکے۔

مولانا اختر احسن اصلاحیؒ، مولانا عبد الرزاق لطیفیؒ، مولانا انیس الدین احمدؒ، جناب یوسف صدیقیؒ۔

آخر میں مجلس شوریٰ نے ایک قرارداد منظور کی جو یوں ہے:۔

۱۔ پندرہویں صدی ہجری کا استقبال:۔ یکم محرم الحرام سے پندرہویں صدی ہجری کا مبارک آغاز ہو رہا ہے۔ تاریخ کے ایسے نازک موڑ پر حضور اکرمؐ کی ہجرت کو چودہ سو سال پورے ہو رہے ہیں۔ پوری اسلامی دنیا میں اس کے استقبال کی شایان شان تیاریاں ہو رہی ہیں۔ ہمارے ملک میں بھی اسلام سے دلچسپی رکھنے والی جماعتیں اور تحریکیں اس کے پرتپاک خیر مقدم کی تیاریوں میں لگی ہوئی ہیں۔ مجلس یقین کرتی ہے کہ انشاء اللہ آنے والی صدی اسلام کی صدی ہوگی، مسلم نوجوانوں کے جہد و عمل اور ایثار و قربانی کی صدی ہوگی، غیر اسلامی قوتوں کی شکست اور اسلامی طاقت کی فتح کی صدی ہوگی۔ اس موقع پر تمام ہی مسلم نوجوانوں کو اپنی صلاحیتوں کا جائزہ لینا چاہیے اور انہیں اس صدی کو اسلام کی صدی بنانے میں جھونک دینا چاہیے۔

۲۔ ایران عراق تنازعہ:۔ ایسے وقت میں جبکہ پندرہویں صدی ہجری کے استقبال کی تیاریاں ہو رہی ہیں، ایران عراق تنازعہ اس عالمی سازش کی ایک کڑی ہے جو سبز انقلاب کو برداشت نہیں کرنا چاہتی ہے۔

مجلس کو یقین ہے کہ یہ جنگ دو برادر ملکوں میں نہیں بلکہ نظریاتی جنگ ہے ۔ ایک طرف نام نہاد مسلمان حکومت ہے جو الحاد و دہریت کی علمبردار اور فسق و فجور کی پیغامبر ہے جو اسلامی اصولوں کے کھنڈر پر اپنے عیش و عشرت کی عمارت اٹھانا چاہتی ہے ، جسے اسلام سرخ و سفید سامراج کی زیر دست حمایت حاصل ہے ، دوسری طرف اسلامی اصولوں کی نمائندہ ، آزادی و حریت کی درس دینے والی اور دنیا کے کمزور و پسماندہ طبقات و ممالک کے خلاف ہونے والے مظالم پر آواز اٹھانے والی اصول پسند حکومت ہے ، جسے مادی سہاروں سے زیادہ خدا کی قوت و طاقت اور اپنے عوام کے جذبۂ شہادت پر بھروسہ ہے ۔ مجلس یقین کرتی ہے کہ حق ہی غالب ہوگا اور باطل کو منھ کی کھانی پڑے گی ۔ اس نازک موقع پر مجلس ایرانی دوستوں کی زبردست حمایت کرتی ہے اور عراق کی کمیونسٹ حکومت کی پر زور مذمت کرتی ہے ۔

۳ ـــــ ترکی میں اسلامی تحریک کے قائد پروفیسر نجم الدین اربکان کی گرفتاری پر مجلس اپنے زبردست غم و غصہ کا اظہار کرتی ہے اور ترکی حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ محترم پروفیسر مذکور کو جلد از جلد رہا کرے ۔ اس کے ساتھ ہی کانگریس (آئی) سرکار سے مجلس مطالبہ کرتی ہے کہ وہ ترکی حکومت میں آزادی و حریت کے علمبرداروں ، امن و آشتی اور عدل و انصاف کے پیغامبروں پر ہونے والے مظالم کے خلاف آواز بلند کرے ۔

۴ ـــــ کشمیر حکومت میں اسلام پسندوں کی گرفتاری ، شام میں اخوانیوں کے قتل و خون پر مجلس اس بات کا بے خوف و خطر اعلان کرتی ہے کہ

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
تم جتنا دباؤ گے اتنا ہی یہ ابھرے گا

۵ ـــــ وطن عزیز میں اپنے ہی بھائیوں ، ماؤں بہنوں کے قتل و خون اور ان کی عصمت دری و بے آبروئی نے مجلس کی نظر میں اس یقین کو مستحکم کر دیا ہے کہ جمہوریت اس ملک میں دم توڑ رہی ہے ، آزادی و حریت کا گلا گھونٹا جا رہا ہے ، اہنسا کے علمبردار ملک میں امن و آشتی کا جنازہ نکل چکا ہے ۔ اب اس ملک کو دوبارہ سجایا اور سنوارا اسی وقت جا سکتا ہے جبکہ اسلام کے عالمی پیغام کو عام کیا جائے اور اس کے دیئے ہوئے اصولوں کو نافذ کیا جائے کہ اسی میں ہندوستان اور تمام دنیا کی بھلائی ہے ۔

۶ ـــــ آسام اور دوسرے علاقوں میں علیحدگی پسندی کے رجحان کو مجلس شوریٰ مذمت کی نگاہ سے دیکھتی ہے ۔ وطن عزیز کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی ذمہ داری دراصل غیر اسلامی نظریات پر عائد ہوتی ہے جنہوں نے وطنی و لسانی ، نسلی و علاقائی عصبیت کو ہوا دی ہے ۔ مجلس کو یقین ہے کہ اس کا علاج صرف اسلام کے عالمی پیغام محبت و اخوت میں ہے ۔

سید مودودیؒ کے کارنامے کے دوؔ پہلو تھے : ایک دورِ جدید کی مرعوب کن جاہلیت جس کا چہرہ روشن اور اندرون چنگیز سے تاریک تر تھا یعنی مغربی فکر و تمدن اور اس کے ہر شعبۂ زندگی پر محققانہ تنقید ـ دوسرا : اسلامی نظام کی اقامت کے لئے ایک منظم جہادی تحریک کا اجراء ـ کام کا ایک حصہ اگر دو رُخہ تھا تو دوسرا لا الٰہ الا اللہ "کفر بالطاغوت" اور "ایمان باللہ" دونوں منفی اور مثبت تقاضے ساتھ ساتھ تھے

پندرہویں صدی ہجری کے استقبال میں کئے گئے جلسہ کی رپورٹ جسے جناب نعیم الدین صاحب اصلاحی نے پیش کیا

جامعہ کے لیل و نہار

دلیلِ صبح روشن ہے ○ ستاروں کی تنک تابی

یکم محرم الحرام ۱۴۰۱ھ بروز دوشنبہ جامعۃ الفلاح بلریاگنج کی طرف سے پندرہویں صدی ہجری کا استقبال بڑے ہی جوش و خروش کیساتھ کیا گیا۔ اس موقع پر مولانا ابوبکر صاحب اصلاحی کی زیر صدارت ایک تقریری پروگرام کا اہتمام کیا گیا جسمیں طلبہ اور اساتذہ نے حصہ لیا۔

پروگرام کا آغاز قاری زبیر احمد صاحب کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ تلاوت کے بعد استاذ محترم مولانا جلیل احسن صاحب ندوی نے قرآن مجید کا درس دیا مولانائے محترم نے اپنے مخصوص انداز میں سامعین کے سامنے ہجرت کے مختلف پہلوؤں پر تفصیلی روشنی ڈالی اور بتایا کہ ہجرت پیغمبروں کی زندگی میں انکی فتح و نصرت اور کامیابی و کامرانی کا پہلا زینہ ہے۔ ہجرت کے بعد قوموں کے سامنے صرف دو ہی راستے رہ جاتے ہیں یا تو پیغمبروں کی دعوت کو تسلیم کرکے سعادت و خوش نصیبی سے ہمکنار ہوں یا اپنی سابقہ روش پر برقرار رہ کر دنیوی عذاب اور ابدی خسران سے دوچار ہوں۔

مولانائے محترم کے نادر و بے مثال درس قرآن اور صدر محترم کے تعارفی کلمات کے بعد مولانا اقبال احمد صاحب قاسمی نے "چودہویں صدی ہجری پر ایک نظر" کے موضوع پر ایک طویل اور جامع تقریر فرمائی اور پوری صدی کا اجمالی تعارف پیش کیا۔ آپنے فرمایا کہ اس صدی کا سب سے بڑا حادثہ خلافتِ عثمانیہ کا زوال، عربوں کے قلب میں اسرائیلی سلطنت کا قیام اور سقوطِ مشرقی پاکستان ہے۔ آپکے بعد برادر قاسم ذکی نے اسی عنوان پر ایک پرجوش اور ولولہ انگیز تقریر کی۔ ان دونوں تقریروں کے بعد "ہجرت کی تعریف اور دین میں اسکا مقام" کے عنوان پر چند طلبہ نے تقریریں کیں جنکے نام یہ ہیں۔ برادر جاوید احسن مجاہد (چہارم) برادر طیب حسن (سوم) برادر مجاہد الاسلام (دوم)۔ طلبہ کی تقریریں پرجوش، پر اعتماد اور پرعزم تھیں۔ انکے ایک ایک لفظ سے ظاہر ہورہا تھا کہ انکی روحیں نئی صدی کو اسلامی صدی بنانے کیلئے مضطرب اور بیقرار ہیں۔ یہ پروگرام ساڑھے نو بجے شروع ہوا اور قریب ساڑھے گیارہ بجے اختتام پذیر ہوا پھر دوسری نشست کا آغاز نماز ظہر کے بعد نور الامین متعلم درجہ عربی پنجم کی تلاوت کلام پاک اور صدر محترم جناب مولانا ابوبکر صاحب اصلاحی کے درس حدیث سے ہوا مولانا کے درس حدیث کو سامعین نے بڑی توجہ، انہماک اور دلچسپی سے سنا۔ درس حدیث کے بعد سابق عنوان پر چند اور طلبہ نے بھی اظہار خیال کیا جنکے نام یہ ہیں برادر شجاع الدین نیر (چہارم) برادر حافظ محمد اعظم کوثری (پنجم) برادر محمد امین کشمیری (دوم) برادر محمد ابوبکر (ہشتم) برادر محمد حسن نیپالی (ہشتم)۔ انھوں نے اس بات کا عہد کیا کہ اس صدی کو اسلامی صدی بنانے میں کسی قسم کی قربانی پیش کرنے سے دریغ نہیں کریں گے۔ طلبہ کی تقریریں ختم ہوکر راقم نے بھی "نوجوانوں کا کردار" کے موضوع پر ایک مختصر سی تقریر کی جس میں بتایا کہ نوجوان ہی حقیقتاً ہر قوم کے اصل سرمایہ ہوتے ہیں

بقیہ صفحہ 11 پر۔۔۔

اڈیٹر کی نظر میں

نام کتاب = مولانا منظور نعمانی کی تصویر مولانا مودودیؒ کے تاریخی خطوط کے آئینے میں

ناشر = مکتبہ الایمان دیوبند یوپی

قیمت = دو روپے پچیس پیسے

سائز = ۲۰×۳۰/۱۶

مرتب = تابش مہدی اڈیٹر الایمان

۔۔ صفحات کا یہ مجموعہ دراصل ان خطوط پر مشتمل ہے جو مولانا مودودیؒ نے مولانا نعمانی اور مولانا مسعود عالم ندویؒ کو لکھے تھے جن سے مولانا نعمانی کی جماعت سے علٰحدگی کے اسباب اور اس پر امام مودودیؒ کا نصب العین سے گہرا عشق اور ان کے محکم کا پتہ چلتا ہے ادھر بانی تحریک کی وفات کے بعد مولانا نعمانی نے "شہادت حق" کا جو فریضہ انجام دینا شروع کیا ہے قارئین الفرقان کو جماعت اسلامی کی ضلالت و گمراہی سے بچانے کی جو حتی الوسع امکانی کوشش شروع کی ہے اور جماعت کا ناقابل اعتنٰی اور غیر خواناں کرانے سبوتاژ کرنے کی سعی کا آغاز کیا ہے اس سے بڑی شدید قسم کی غلط فہمیوں کے پھیلنے کا اندیشہ تھا ضرورت تھی کہ مولانا مودودیؒ کے موقف اور مولانا نعمانی کو آپ نے جو جواب دیا تھا اسے عوام کے سامنے لایا جائے تاکہ صحیح صورتحال سامنے آسکے جناب تابش مہدی صاحب نے اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے یہ مجموعہ مرتب کیا ہے جو لوگ بغیر عصبیت اور شخصیت پرستی کا چشمہ لگائے حالات و واقعات کا بغور مطالعہ کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے یہ مجموعہ نعمت غیر مترقبہ ہے ضرورت ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ عوام تک پہونچایا جائے۔ صفحات کے لحاظ سے اور مجموعہ کی افادیت کے پیش نظر قیمت مناسب ہے

نام کتاب = فیض کعبہ

مصنف = سید احمد عروج قادری

ناشر = اسلامک بک سیلرز دو محلہ روڈ رامپور

قیمت = ڈیڑھ روپے

پیش نظر شعری مجموعہ حج و زیارت کی ترغیب اور اللہ و رسولؐ کی محبت میں اضافہ کے لئے ایک بہترین تحفہ و ذریعہ ہے پورا مجموعہ پڑھ جایئے لگتا ہے کہ خود کعبہ کی زیارت کر رہے ہیں اور مسجد نبویؐ میں نماز ادا کر رہے ہیں۔ شاعر کا جذبہ پر سوز دروں۔ حرم پاک سے والہانہ عقیدت اور حج و زیارت کا مجنونانہ شوق اشعار میں سمٹ آیا ہے جو لوگ حج کی سعادت لوٹ چکے ہیں انھیں تو خیر مزہ آئے گا ہی لیکن جنھیں اس کی توفیق نہ ملی ہو وہ بھی اسے پڑھ کر لطف و سرور حاصل کر سکتے ہیں ضرورت ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ ہاتھوں میں پہونچایا جائے

حلقۂ یاراں

جناب ایڈیٹر محترم

پچھلے دنوں جنیوا میں اسلحوں کے محدود کرنے کے جائزہ کمیٹی کے دوسرے اجلاس میں یہ بتایا گیا کہ دنیا میں اس وقت تقریباً پچاس ہزار تباہ کن ہتھیار ہیں جن کے دھماکے کی تباہی ہیروشیما قسم کے دس لاکھ بموں کے برابر ہوگی اس طرح دنیا کے ہر شخص کے لئے ۳ من فی ٹن ٹی کا حساب آتا ہے لکھا کے لئے یہ بے حد تکلیف کی بات ہے کہ ۱۱۴ ملکوں کے تباہ کن ہتھیار محدود کرنے کی تجویز کو منظور کرنے کے بعد بھی ہتھیاروں کی ایجاد اور دھماکے جاری ہیں صرف ۱۹۸۹ء میں ۳۵ تباہ کن دھماکے کئے گئے جبکہ ۸۸ء میں یہ تعداد ۴۴ تھی دھماکہ کرنے والے ملکوں میں روسی امریکہ۔ فرانس، برطانیہ اور چین کے نمبر بالترتیب آتے ہیں فی الحال جو ممالک روسی امریکہ۔ فرانس برطانیہ چین اور بھارت اسلحہ کمیٹی کے خصوصی ممبر ہیں لیکن امید ہے کہ ۲۰۰۰ء تک یہ تعداد بڑھ کر ۳۰-۴۰ درجن ہو جائے گی۔ دنیا میں ایٹمی ہتھیاروں کا یہ ذخیرہ کبھی بھی انسانیت کو تباہی کی آگ میں جھونک سکتا ہے دنیا کا کوئی بھی سرکاری لیڈر آئندہ کوئی مصیبت پیدا کر سکتا ہے اس مصیبت کے لئے سائنس داں بھی کم قصوروار نہیں ہیں انھوں نے انسانیت کو بہتر بنانے کے لئے جہاں ان تھک کوشش کی وہیں اسے تباہی کے غار میں دھکیلنے کے لئے ایٹمی ہتھیاروں کو ایجاد بھی کر دیا ہے

مکرمی مجید صاحب

سلام مسنون

جولائی کا حیات نو پیش نظر ہے شعری حصے میں کسی رحمت رامپوری صاحب کی غزل نمایاں طور پر شائع ہوئی ہے گویا کہ کسی استاد فن کی تخلیق ہے۔ لیکن حقیقتاً وہ انتہائی گھٹیا پرچے کے بھی لائق نہیں ہے اس میں شعریت کے فقدان کے ساتھ ساتھ شاعری کے مروجہ قواعد کا بھی لحاظ نہیں رکھا گیا ہے

ملاحظہ ہو

جنھیں تھا ذوق وہ سر پہنچ گئے منزل
جو مگن بنے بیٹھے تھے راہبر نہ سکے
مقدرات نے تا کس کو عزت دلوایا
بڑے ہی شور سے اٹھے جو نامور نہ سکے

کوئی رحمت صاحب سے پوچھے کہ بھئی یہ راہبر نہ سکے اور نامور نہ سکے کو کون لکھتا ہوتا ہے اس کے علاوہ بھی تمام اشعار مہمل اور بے لطف ہیں شاعری صرف قافیہ بندی کا نام نہیں ہے۔ موصوف کو چاہیے کہ پہلے اپنا کلام کسی استاد فن کو دکھائیں پھر اشاعت کی طرف متوجہ ہوں۔ آپ سے بھی یہ التماس ہے اس طرح کی فحش خامیوں سے اپنے پرچے کو پاک رکھیں یا پھر شعری حصہ درمیان بند ہی کر دیں۔ آپ میرے خطوط حیات نو میں شائع بھی کر سکتے ہیں۔ امید ہے آپ بعافیت ہوں گے

بینظیر ادیش کاران
شمی علی گڑھ